محمود ● فاروق ● فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز

ناول نمبر ۳۶۲

سرپھرا کلن

اشتیاق احمد

نام ناول ——— سر پھرا کیس
طابع ——— اشتیاق احمد
کتابت ——— سعید نامدار
سرورق ——— طاہر الیس ملک
قانونی مشیر ——— شمیم احمد ایڈووکیٹ
مطبع ——— افضل شریف پرنٹرز
قیمت ——— ۱۸ روپے
سالانہ قیمت ایک ناول ——— ۲۵۰ روپے
سالانہ قیمت دو ناول ——— ۴۵۰ روپے

اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد ——— مسلم پورہ ——— سانده کلاں ——— لاہور
فون نمبر: 321537

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ہاتھ میں کپڑا تھا حریر (ریشم) کا اور دوسرے ہاتھ میں سونا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، یہ دونوں چیزیں میری اُمت کے مردوں پر حرام ہیں اور عورتوں کو حلال ہیں۔

حدیث نمبر ۳۸۷، صفحہ نمبر ۱۴۰،
سُنن ابن ماجہ شریف، جلد سوم

o

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، کھاؤ اور پیو اور صدقہ کرو اور پہنو، جب تک اسراف یا تکبر اس میں پیدا نہ ہو —

حدیث نمبر ۴۹۵، صفحہ نمبر ۱۴۴،
سُنن ابن ماجہ شریف، جلد سوم

o

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جو شخص شہرت کا لباس پہنے، یعنی اس نیت سے کہ لوگوں میں اس کا نام ہو اور لوگ اس کو خوش پوشاک کہیں، اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنا دے گا۔

حدیث نمبر ۴۹۶، صفحہ نمبر ۱۴۵،
سنن ابن ماجہ شریف، جلد سوم

○

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، حضور نبی کریم آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، جس نے دنیا میں شہرت کا کپڑا پہنا، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اس کو قیامت کے دن ذلت کا کپڑا پہنا دے گا، پھر اس میں انگار لگا دے گا (ایک تو رسوائی، دوسرے جلنا۔ معاذ اللہ، دوہری مصیبت)

حدیث نمبر ۴۹، صفحہ نمبر ۱۴۵،
سنن ابن ماجہ شریف، جلد سوم

السلام علیکم!

گذشتہ دنوں اسلام آباد میں بچوں کے رسائل کے مدیران اور بچوں کے رسائل میں لکھنے والوں کو بلایا گیا تھا۔ دعوہ اکیڈمی والے ہر سال اس قسم کا کوئی نہ کوئی پروگرام بناتے ہیں۔ چار سال پہلے بچوں کے لیے پرانے لکھنے والوں کو دعوت دی گئی تھی اور دو دن مذاکرہ ہوا تھا۔ اس پروگرام میں غور یہ کیا گیا تھا کہ بچوں کے لیے کیا کچھ لکھا جاتا رہا ہے اور جدید تقاضوں کے مطابق لکھا کیا جانا چاہیے۔

اس سے اگلے سال لکھنے والوں کے مسائل کے تحت پروگرام طے کیا گیا۔ لکھنے والوں نے اپنے تمام تر مسائل وہاں گنوائے۔ اس سے اگلے سال بچوں کے رسائل کے مدیران کو دعوت دی

گئی۔ تاکہ انھیں تربیت دی جا سکے کہ انھیں اپنے
رسائل میں بچوں کے لیے کیا کچھ شائع کرنا چاہیے۔
اس سال مدیران کا سامنا رسائل میں نئے لکھنے
والوں سے کرایا گیا۔ لکھنے والوں نے اپنی شکایات
گنوائیں، مدیران نے اپنی — ان کا جائزہ لیا گیا اور
ایک درمیانی راہ تلاش کی گئی —

یہ تو تھے پروگرام جو چار سال تک ہوئے —
اس سال میں نے پروگرام سے ہٹ کر ایک بات
مدیران اور لکھنے والوں سے کی — وہ میں آپ سے بھی
کہ دینا چاہتا ہوں — اس لیے کہ وقت کا تقاضا بھی
ہے — بات یہ تھی:

"میرے دوستو! ہم یہاں اس لیے جمع ہوئے
ہیں کہ لکھنے والوں کے مسائل کیا ہیں — انھیں
رسائل کے مدیران سے کیا شکایات ہیں یا ان کی
کیا پریشانیاں ہیں — جب کہ مدیران کو یہ کہنا ہے کہ
ان پر کیا گزرتی ہے — وہ ایک شمارہ تیار کرنے
کے دوران کیسی کیسی عذاب سے دو چار ہوتے ہیں
وغیرہ — یہ باتیں تو کی جا رہی ہیں اور ابھی پروگرام
کے آخر تک کی جائیں گی — میں تو ایک اور بات

کہنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ شاید ہم لوگ آیندہ سال
یہاں نہ آ سکیں — بلکہ شاید آیندہ سال دعوہ اکیڈمی
والے ہمیں خود ہی نہ بلائیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی — بھلا ایسا کیوں ہو گا؟" کئی
آوازیں ابھریں —

"آیندہ سال تک اس قسم کے پروگراموں کی ضرورت
ہی ختم ہو جائے گی۔"

"وہ کیوں — آخر کیوں ضرورت ختم ہو جائے گی؟"

"آپ کو نہیں معلوم — اب قوم کے ساتھ کیا ہو
رہا ہے؟"

"کیا ہو رہا ہے — پتا بھی تو چلے — اپنے جاسوسی ناولوں
کی طرح یہاں بھی سسپنس تو نہ چھوڑیں۔"

"ہاں واقعی — خیر نہیں چھوڑتا — میں کہنا یہ چاہتا
ہوں کہ سی این این، پی ٹی این اور این ٹی ایم
کی مہربانیوں سے اب چوبیس گھنٹے ٹی وی پروگرام
لگے رہتے ہیں — روزانہ ایک فلم دکھائی جاتی ہے —
ایک دن انگریزی — ایک دن اردو — اب جب کہ
چوبیس گھنٹے ٹی وی کے سامنے بستر ڈال کر بیٹھ رہتے
ہیں — تو ہمارے یہ ناول اور رسالے کون پڑھا کرے

گا — کس کے پاس وقت بچا کرے گا — میں تو کہتا ہوں — اپنے بستر بوریے سمیٹیں اور چلیں اپنے اپنے گھر — کوئی اور کام دھندا سوچیں — میں تو آلو چھولے فروخت کر لیا کروں گا — پرانا پیشہ ہے میرا — اس لائن میں تجربہ بھی ہے — آپ لوگ اپنی اپنی فکر کریں۔

میری بات سُن کر ان کے منہ بن گئے تھے، کیونکہ میری یہ بات انھیں ایک آنکھ نہیں بھائی تھی — کسی کو پسند نہیں آئی تھی —

بات انھیں پسند آئی ہو یا نہ آئی ہو، بلکہ یہ حقیقت ہے — چند سالوں تک بچوں کے اور بڑوں کے رسائل اور کتب کا جنازہ نکلنے کے امکانات بہت روشن ہو چکے ہیں — ہمیں ان امکانات سے روشنی حاصل کر ہی لینی چاہیے — آپ کیا کہتے ہیں اس سلسلے میں —

اب ناول کے بارے میں دو باتیں ہو جائیں، چند بہت ہی چاہنے والے قارئین کی خواہش ایک عرصے سے چلی آ رہی تھی کہ کچھ اس قسم کے ناول لکھے جائیں، جس قسم کے آپ پہلے لکھا کرتے تھے، ان میں بہت سسپنس ہوتا تھا — سو میں نے ایک

ناول "سمندر کا تحفہ" اس قسم کا لکھنے کی کوشش کی — آپ نے اس بات کو تسلیم کیا کہ اس میں پرانے ناولوں جیسا مزہ آیا — اب ایک اور ناول "سربیرا کیس" حاضر ہے — اس میں بھی آپ کی وہی کیفیت ہو گی — یہ میرا خیال ہے، دعویٰ نہیں — اور یہ خیال انسپکٹر جمشید کا خیال بھی نہیں کہ غلط نہیں ہو سکتا — یہ آپ بتائیں گے کہ خیال درست نکلا یا غلط — یا پھر کتنے فی صد درست اور کتنے فی صد غلط نکلا — امید ہے، آپ یہ بتانا بھول نہیں جائیں گے — بھول جانے کے امکانات اس لیے ہیں کہ ابھی آپ کو اس ماہ کا دوسرا ناول "چکر کی موت" بھی پڑھنا ہے — خیر — اُمید پر تو دنیا قائم ہے — شکریہ!

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں۔ پہلے نماز اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔ شکریہ!

اشتیاق احمد

موت کا خط

"انسپکٹر جمشید صاحب!

آپ کو ایک اہم ترین اطلاع بذریعہ خط دے رہا ہوں، کسی دُوسرے کو اس لیے نہیں دے رہا کہ لوگ ایسے خطوط کی طرف توجہ نہیں دیتے، لیکن آپ سے ایسی اُمید نہیں، آپ سے تو امید یہی ہے کہ اس طرف خود ہی توجہ دیں گے، کیونکہ جب میرا خط آپ کو ملے گا، وقت بہت کم رہ جائے گا۔

اب مَیں اصل بات کی طرف آتا ہوں۔ سر کبیر خان کے ہاں ایک دعوت ہونے والی ہے۔ دعوت مورخہ ۱۳ دسمبر کو دی جا رہی ہے۔ اس دعوت میں ایک آدمی کو قتل کرنے کا منصوبہ ترتیب دیا گیا ہے۔ منصوبہ اس قدر مہارت سے ترتیب دیا گیا ہے کہ شاید آپ بھی اس قتل کو ہونے سے نہ روک سکیں،

لیکن اگر آپ روک لیتے ہیں تو پھر آپ کا فن
بھی ماننا پڑے گا۔ ویسے تو میں آپ کا فن
بہت عرصے سے مانتا چلا آ رہا ہوں۔ بہرحال
میں یہ چاہتا ہوں کہ اس شخص کو قتل نہ کیا جا
سکے۔ اب آپ جاننا چاہیں گے منصوبے کی
تفصیلات۔ افسوس! میں آپ کو نہیں بتا سکتا۔
نہ جانے یہ اطلاع بھی مجھ تک کس طرح پہنچی ہے
کہ فلاں شخص کے قتل کا منصوبہ تیار کر لیا گیا
ہے۔ اور منصوبہ بہت چالاکی سے تیار کیا گیا ہے۔
آپ یقین کریں۔ میں قطعاً یہ بات نہیں جانتا کہ
کس کے قتل کا منصوبہ بنایا گیا ہے۔ سر کبیر خان
کے گھر کا ایک ملازم مجھے بہت پسند کرتا ہے۔
اس کے کان میں کسی طرح ایک جملہ پڑ گیا۔ کوئی
کسی سے کہہ رہا تھا۔ فکر نہ کرو۔ قتل کا منصوبہ
اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ تیر خالی نہیں
جائے گا۔ اور وہ جہنم رسید ہو جائے گا۔ اور
یہ کام عین اس وقت ہو گا جب دعوت عروج
پر ہو گی۔
بس جناب! میرے پاس اس سے زائد کوئی

اطلاع نہیں۔ اس ملازم سے بھی کچھ پوچھ گچھ
کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ اس سے زیادہ اسے
بھی نہیں معلوم۔ دوسرے یہ کہ وہ پولیس کا سامنا
کرنے سے بہت گھبراتا ہے۔ اس نے مجھ سے
درخواست کی ہے کہ میں اس کا نام پولیس کو نہ
بتاؤں۔ یہی وجہ ہے کہ خود میں بھی آپ کو اپنا
نام نہیں بتا رہا۔ تاکہ آپ مجھ سے اس ملازم
کا نام نہ پوچھ سکیں۔ بس مجھے یہی کچھ کہنا تھا۔
فقط والسلام:

نامعلوم۔"

انسپکٹر جمشید اس خط کو غور سے پڑھتے چلے گئے، پھر
انھوں نے خط محمود، فاروق اور فرزانہ کے آگے ڈال دیا۔
انسپکٹر جمشید ابھی ابھی دفتر سے لوٹے تھے، ان کے آتے
ہی بیگم جمشید نے آج موصول ہونے والی ڈاک ان کے
سامنے رکھی تھی۔ اس میں یہ خط سب سے اوپر تھا
اور اس پر "ذاتی" لکھا ہوا تھا۔ لہٰذا خط کو انھوں نے
ہی کھولا۔ اب محمود، فاروق اور فرزانہ خط کو پڑھ رہے تھے
اور انسپکٹر جمشید دوسرے خطوط دیکھ رہے تھے۔
"اس کا صاف مطلب ہے۔ ہمیں بیٹھے بٹھائے ایک

کیس ملنے والا ہے۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"بیٹھے بٹھائے تو خیر نہیں ۔ کم از کم سرکبیر خان کے ہاں تو جانا ہی ہوگا۔" محمود مسکرایا۔

"لیکن ! یہ سرکبیر خان ہیں کون ۔ ہم نے تو آج سے پہلے یہ نام سنا تک نہیں۔"

"اس کام کے لیے ہمارے انکل اکرام کیا کم ہیں ۔ ابھی فون کریں گے اور معلوم ہو جائے گا کہ سرکبیر خان کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں اور ان کا فون نمبر کیا ہے۔ بلکہ وہ تو یہ بھی بتا دیں گے کہ سرکبیر خان کس قسم کے آدمی ہیں۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"واقعی ۔ کمال کے آدمی ہیں ہمارے انکل اکرام بھی۔" محمود نے کہا۔

"صرف کمال کے آدمی نہیں ۔ چلتے پھرتے انسائیکلوپیڈیا ہیں۔" فاروق بولا۔

"کیا خیال ہے ابا جان ۔ انکل کو فون کریں؟"

"ہاں کر لو ۔ کوئی حرج نہیں ۔ کیونکہ میں بھی نہیں جانتا کہ سرکبیر خان کون ہیں۔" وہ بولے۔

محمود نے سب انسپکٹر اکرام کے نمبر ملائے اور پھر آواز سن کر بولا:

"السلامُ علیکم انکل ۔ سرکبیر خان کے بارے میں کیا رپورٹ ہے؟"

"سرکبیر خان۔" اکرام چونکا۔

"ہاں انکل ۔ کیا آپ جانتے ہیں؟"

"کافی کچھ جانتا ہوں ۔ اگر چاہیں تو اور معلومات حاصل کرکے دے سکتا ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے ۔ ہم پندرہ منٹ بعد فون کریں گے ۔ اس سے پہلے معلومات حاصل ہو جائیں تو آپ ادھر فون کر دیں۔"

"تب تو مجھے ہی فون کرنا پڑے گا۔" اکرام نے ہنس کر کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"تو انکل کو سرکبیر خان کے بارے میں معلوم نہیں تھا۔" فاروق نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"تم تو ہو عقل سے پیدل ۔ معلوم ضرور تھا ۔ لیکن وہ مزید معلومات حاصل کرکے اطلاع دیں گے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"اس سے یہ بات کس طرح ثابت ہو گئی کہ میں عقل سے پیدل ہوں۔" فاروق نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

"پروا نہ کرو فاروق۔" فرزانہ شوخ آواز میں بولی۔

"کس بات کی پروا نہ کروں ۔ ہائیں۔" فاروق اس کی

طرف اُلٹ گیا۔

"ارے ارے بھئی۔ آخر اس قدر غصّے میں آنے کی بھی کیا ضرورت ہے۔" فرزانہ بوکھلا اُٹھی۔

"ضرورت ہے، تم نہیں سمجھ سکوگی۔"

"یہ بات اس سے ثابت نہیں ہوئی۔ یہ تو پہلے سے ثابت شُدہ بات ہے۔" محمود مسکرایا۔

"آپ سن رہے ہیں ابّا جان۔ ان حالات میں اگر میں محمود کا سر توڑ دوں تو میرا خیال ہے، آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اعتراض تو ہوگا بھئی۔" انسپکٹر جمشید بھی مسکرائے۔

"کیا کہا۔ اعتراض ہوگا۔ اس کا مطلب ہے۔ آپ محمود کا ساتھ دیں گے۔" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ بات نہیں۔ میں تو یہ کہنا چاہتا ہُوں کہ اگر محمود نے تمہیں ایک بات کہی ہے تو پھر تم اس کا جواب بات سے دو۔ نہ کہ لڑائی جھگڑے سے۔"

"آپ کو شاید یاد نہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"کیا یاد نہیں؟"

"یہ کہ لاتوں کے بھُوت باتوں سے نہیں مانتے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پہلے تم مجھے لاتوں کا بھُوت ثابت کرو۔"

"یہ بات ثابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں... لاتوں کے بھوت تو خیر تم ہو۔"

"کوئی گواہ پیش کرو۔"

"فرزانہ... تم دے دو گواہی..." فاروق نے اس سے درخواست کی۔

"ہرگز نہیں... بال کی کھال اتارتے ہو اور گواہی میں دوں تمہارے حق میں... یہ نہیں ہوگا۔"

"اچھا اپنی گواہی سنبھال کر رکھو۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"تُک... کیا سنبھال کر رکھے فرزانہ۔" بیگم جمشید ٹرالی دھکیلتے ہوئے نزدیک آگئیں۔

"امّی جان گواہی۔" فاروق فوراً بولا۔

"ہیں گواہی... یہ کیا کہا تم نے؟"

"ارے... یہ میں کس چکر میں پھنس گیا... اچھا میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں عقل سے پیدل ہوں۔"

"دیکھا! میری بات بالکل درست ثابت ہو گئی نا۔" محمود نے چہک کر کہا۔

"دھت تیرے کی۔" فاروق نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"دیکھیے ابّا جان... اب بے چارے کی یادداشت بھی کمزور ہو گئی... اب اسے یہ بھی یاد نہیں رہا کہ دھت تیرے کی تکیہ کلام اس کا ہے یا محمود کا۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"ارے! خبردار... بہت پرزے نکال لیے ہیں تم نے۔"

"شکر ہے کہ چلتا پرزہ پھر بھی نہیں ہو گا۔" فرزانہ مسکرائی۔

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی... محمود نے فوراً ریسیور اٹھایا... دوسری طرف سے اکرام کی آواز سنائی دی:

"سر کبیر خان کے بارے میں معلومات حاضر ہیں۔"

"فرمایئے انکل۔" محمود بولا۔

"سر کبیر خان شہر کے باہر جنگل میں رہتے ہیں... جاگیر دار ہیں۔ ان کی بہت بڑی جاگیر ہے... شہر میں عام طور پر نہیں آتے... وہیں رہتے ہیں.... دعوتوں وغیرہ میں کبھی کبھار شرکت کر لیتے ہیں... وہ بھی صرف اپنے قریبی دوستوں کی... اور کچھ۔"

"یہ حضرت کرتے کیا ہیں۔"

"جاگیر دار بھی بھلا کچھ کیا کرتے ہیں... بیٹھ کر جاگیر کی کمائی کھاتے ہیں... کمائی اس قدر زیادہ ہے کہ آپ اندازہ نہیں لگا سکتے... حساب کرنے کی کوشش کریں گے

تو دانتوں پسینہ آ جائے گا۔"

"ہمیں دانتوں پسینہ لانے کا کوئی شوق نہیں۔" محمود نے منہ بنا کر کہا۔

"اور ہاں کل رات کو ان کے ہاں ایک عدد دعوت دی جا رہی ہے... سنا ہے کہ ان کے ہاں ہر سال بہت خاص دوستوں کو دعوت دی جاتی ہے۔"

"اور کیا ان کی کسی دعوت میں کبھی کوئی واردات ہوئی۔" انسپکٹر جمشید نے منہ آگے کر کے کہا۔

"یہ بات تو مجھے نہیں معلوم سر۔"

"اس کا مطلب ہے... آپ کی معلومات اس بار نامکمل رہ گئیں۔"

"جی ہاں! آپ یہی کہہ لیں... خیر میں ایک بار پھر چند منٹ کی مہلت چاہتا ہوں۔"

"چند منٹ کی مہلت دی جاتی ہے۔" محمود نے ہنس کر کہا۔

"شکریہ!" اس نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

"سوال یہ ہے کہ یہ حضرت جنگل میں کیوں رہتے ہیں، اس قدر دولت مند ہو کر بھی شہر میں رہنا کیوں پسند نہیں کرتے۔"

"جاگیردار قسم کے لوگ شہروں سے دور ہی رہنا پسند کرتے ہیں عام طور پر۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیا ہم تیاری کریں ابا جان۔" فرزانہ نے پرجوش انداز میں کہا۔

"سر کبیر خان کے ہاں جانے کی؟" انسپکٹر جمشید سوالیہ انداز میں بولے۔

"جی ہاں! اور کہاں کی تیاری کریں گے بھلا۔"

"ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا.... دعوت وہاں کل رات ہے۔" وہ بولے۔

"لیکن ہم وقت سے پہلے جا کر سن گن لیں گے... تبھی اس سلسلے میں کوئی کام دکھانے کی امید کر سکتے ہیں..."

"خیر... یونہی سہی... تم لوگ تیاری کر لو... اکرام سے اطلاع لینے کے بعد ہم وہاں کا چکر تو لگا ہی آئیں گے۔"

"ویسے میں خوف سا محسوس کر رہا ہوں... بلکہ یوں کہہ لیں کہ میری چھٹی حس مجھے خبردار کر رہی ہے۔" محمود نے پریشان سی آواز میں کہا۔

"کس بات سے خبردار کر رہی ہے... یہ بھی تو بتاؤ نا۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"اس بات سے کہ ہم ہونے والی واردات کو روک نہیں

سکیں گے... البتہ بعد میں مجرم کو گرفتار ضرور کر لیں گے۔"

"لیکن یہ کوئی مزے دار بات نہیں ہو گی... مزا تو تب ہے... جب ہم اس واردات کو ہونے ہی نہ دیں، اور مجرم کو گرفتار کر لیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"لیکن یہ تو اسی صورت میں ہو سکتا ہے... جب ہمیں یہ معلوم ہو جائے کہ کسی شخص کو قتل کرنے کا منصوبہ تیار کیا گیا ہے۔" محمود نے فوراً کہا۔

"اور کیوں کیا گیا ہے... یہ بھی ضروری سوال ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"اور کون کرنے والا ہے۔" فرزانہ نے فوراً کہا۔

"اس سوال کا جواب تو وقت دے گا... میں تو حفاظتی اقدامات کر دینا پسند کروں گا۔"

عین اسی وقت گھنٹی بجی... انسپکٹر جمشید نے رسیور کا ایک بٹن دبا دیا... اب اکرام کی آواز پورے صحن میں سنائی دینے لگی... وہ کہہ رہا تھا:

"نہیں سر... ان کی کسی دعوت میں کبھی کوئی واردات نہیں ہوئی... نہ ان کی کسی سے دشمنی ہے... ہر سال دعوت بہت پرسکون ماحول میں ہوتی ہے۔"

"بہت بہت شکریہ اکرام... اب ہم وہاں جا رہے

ہیں... کیا تم ساتھ چلنا پسند کرو گے؟"

"معاملہ کیا ہے سر؟"

"اطلاع ملی ہے کہ کل ہونے والی دعوت میں ایک شخص کو قتل کر دیا جائے گا... خط لکھنے والے نے اپنا نام نہیں لکھا... اس نے صرف یہ بتایا ہے کہ وہ سر کبیر خان کا دوست ہے اور اسے یہ بات سر کبیر خان کے ہی ایک ملازم نے بتائی ہے... ملازم نے کسی کو باتیں کرتے سن لیا تھا... تاہم وہ کوئی اہم بات نہیں سن سکا... صرف یہ کہ منصوبہ بہت زبردست بنایا گیا ہے، اور اسے دعوت کے دوران ہر حال میں موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔"

"تب پھر آپ کے لیے تو یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں رہ گیا... وہاں جا کر تفتیش شروع کر دیتے ہیں... دعوت میں تو ابھی چوبیس گھنٹے باقی ہیں۔"

"شاید یہ کام اس قدر آسان نہ ہو... بہر حال تم آ جاؤ۔" وہ بولے۔

انھوں نے ریسیور رکھ دیا... جلد ہی اکرام ان کے ہاں پہنچ گیا... اب وہ جیپ میں بیٹھ کر سر کبیر خان کی کوٹھی کی طرف روانہ ہوئے...

ان کی کوٹھی تلاش کرنے میں انھیں ذرا بھی دقت نہ ہوئی... نزدیک پہنچ کر انھوں نے دیکھا... وہ کوٹھی نہیں ایک پرانے طرز کی حویلی تھی، بہت بڑی حویلی...

"یہ تو بہت بڑی حویلی ہے... ڈیڑھ سال پرانی۔"

"جی ہاں! لیکن آج بھی بالکل نئی نظر آتی ہے۔"

"ابا جان! اس ملازم کو تلاش کرنا بھلا ہمارے لیے کیا مشکل کام ہو گا۔" محمود نے چونک کر کہا۔

"لیکن ملازم کو تلاش کر کے بھلا ہم کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں... اسے تو کچھ بھی معلوم نہیں۔" وہ بولے۔

"لیکن اس کے ذریعے ہم اس نامعلوم آدمی کا نام تو جان سکیں گے... جس نے ہمیں اطلاع دی ہے۔"

"اس کا نام جان کر بھی ہم کیسے فائدہ اٹھا سکیں گے... اصل مسئلہ تو واردات کو روکنے کا ہے۔"

"ہوں... آپ ٹھیک کہتے ہیں... لیکن نام معلوم کرنے سے کوئی نہ کوئی فائدہ تو اٹھا ہی سکتے ہیں اور کچھ نہیں تو سر کبیر خان کو اپنی بات کا یقین تو دلا ہی دیں گے۔" محمود نے کہا۔

"اچھی بات ہے... ہم یہ کام ضرور کریں گے... فکر نہ کرو۔" وہ مسکرا دیے۔

گاڑی سے اتر کر وہ حویلی کے دروازے تک آئے اور
پھر محمود نے آگے بڑھ کر گھنٹی کا بٹن دبا دیا... جلد
ہی دروازہ کھلا اور ایک ادھیڑ عمر ملازم کی صورت
نظر آئی:

"آپ اس حویلی میں ملازم ہیں شاید۔"

"شاید نہیں یقیناً... ایک عمر گزر گئی یہاں ملازمت
کرتے ہوئے۔"

"اوہ اچھا... یہ ہمارے کارڈز ہیں... مہربانی فرما
کر سرکبیر خان کو دے دیں... ہم ان سے ملاقات کرنا
چاہتے ہیں۔"

"جی بہتر!" اس نے کہا اور کارڈز لے کر چلا گیا، جلد
ہی اس کی واپسی ہوئی اور وہ انھیں اپنے پیچھے آنے کا
اشارہ کر کے مڑ گیا:

"حویلی میں کل کتنے ملازم ہیں؟" انسپکٹر جمشید بولے۔

"کیوں! یہ کیوں پوچھا آپ نے؟"

"بس ایسے ہی... کیا سب ملازم آپ کی طرح پرانے
ہیں۔"

"جی نہیں... پرانا صرف میں ہوں... باقی سب نئے ہیں
بدلتے رہتے ہیں۔"

"گویا آپ کو نہیں نکالا گیا... باقی ملازمین کو نکال بھی دیا جاتا
ہے اور وہ خود بھی ملازمت چھوڑ کر جاتے رہتے ہیں۔"

"جی ہاں! سرکبیر خان طبیعت کے بہت سخت ہیں... ملازم
ذرا مشکل ہی سے ٹکتے ہیں۔"

"اور آپ... آپ کو وہ سخت مزاج نہیں لگتے۔"

"میرے لیے وہ سخت مزاج ہیں ہی نہیں... ہمیشہ نرم
لہجے میں بات کرتے ہیں۔"

"بہت خوب۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ کئی راہداریوں سے گزر کر آخر ایک کمرے میں داخل
ہوئے... کمرے کے بیچوں بیچ ایک شاہانہ مسہری بچھی تھی
اس میں ایک بہت موٹا آدمی نیم دراز تھا... وہ گاؤ تکیے
سے ٹیک لگائے ہوئے تھا... اس کی آنکھیں انگارہ سی
تھیں... اس کے علاوہ کمرے میں اور کوئی نہیں تھا۔

"آپ انسپکٹر جمشید ہیں... یہ جان کر حیرت ہوئی... آپ
کا تو بہت نام سنا ہے۔"

"یہ سب اللہ کی مہربانی ہے جناب۔"

"فرمائیے... کیسے زحمت کی۔"

"کل آپ کے ہاں ایک دعوت دی جا رہی ہے۔"

"ہاں! وہ تو میرا ہر سال کا معمول ہے... ہر سال سے

آخری دن میں اپنے دوستوں کو دعوت دیتا ہوں... ہم تمام رات جاگتے ہیں اور نئے سال کا سورج طلوع ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں... تمام رات کھانے پینے اور خوش گپیوں کا پروگرام ہوتا ہے... میری یہ دعوت دوستوں میں بہت پسندیدہ دعوت سمجھی جاتی ہے۔"

"اس دعوت میں کبھی کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی... کوئی واردات تو نہیں ہوئی۔"

"بالکل نہیں... کیوں یہ کیوں پوچھا آپ نے!"

"اس کی ایک وجہ ہے... وجہ میں بعد میں بتاؤں گا... آپ کے ہاں کتنے ملازم ہیں۔"

"چھ... ایک یہ جو آپ کو اندر لایا... اس کے علاوہ پانچ اور ہیں... یہ بہت پرانا ہے... باقی نئے ہیں۔"

"پہلے میں آپ کے ملازمین سے چند سوال کرنا چاہتا ہوں... باری باری... یعنی ایک الگ کمرے میں بیٹھ کر۔"

"خیر تو ہے... کیا کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔"

"جی نہیں... کوئی گڑبڑ نہیں ہوئی۔"

"پھر یہ تفتیش کس لیے۔"

"میں ابھی نہیں بتا سکتا۔" انھوں نے کہا۔

"آپ تو مجھے پریشان کیے دے رہے ہیں۔" وہ بولے۔

"آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... ہم اپنا کام کریں گے اور آپ کو وجہ بتا کر چلے جائیں گے... البتہ کل دعوت کے وقت پھر آئیں گے۔"

"بات تو کوئی ضرور ہے۔"

"ہاں خیر... بات ہے تو ہم آئے ہیں... لیکن فی الحال پریشانی والی کوئی بات نہیں۔"

"اچھا خیر... اگر آپ پہلے بتانا نہیں پسند کرتے، تو آپ کو اجازت ہے... اپنا کام کریں۔"

وہ ایک کمرے میں آ کر بیٹھ گئے... سب سے پہلے وہی پرانا ملازم اندر آیا...

"یہ سب کیا چکر ہے جناب۔"

"آپ کا نام؟" انھوں نے جیسے سنا ہی نہیں۔

"گل خان۔"

"آپ یہاں بچپن سے ملازم ہیں؟"

"ہاں جناب... میرے والد بھی اس حویلی کے ملازم تھے، سر کبیر خان کے والد کے زمانے میں۔"

"ہر سال کی آخری تاریخ کو دعوت کتنے عرصے سے ہو رہی ہے؟"

"سر کبیر خان نے اپنے والد کے مرنے کے فوراً بعد ہی جو

۳۱ دسمبر آیا... اس روز اپنے دوستوں کو دعوت دی تھی اور پھر اس روز ہی انھوں نے یہ اعلان کیا تھا کہ اب یہ دعوت سال کی آخری تاریخ کو ہر سال دی جایا کرے گی... اس روز سے یہ دعوت جاری ہے۔"

"کسی دعوت کے موقع پر کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی۔"

"جی گڑبڑ... نہیں تو... یہاں گڑبڑ کا کیا کام... سب گہرے دوست ایک جگہ جمع ہوتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں... گپیں ہانکتے ہیں۔"

"شکریہ! آپ لکھنا پڑھنا جانتے ہیں۔"

"جی ہاں بالکل... میں میٹرک پاس ہوں۔"

"اپنے ہاتھ سے چند جملے تو لکھ کر دکھائیں... بھلا کیسی تحریر ہے آپ کی۔" یہ کہہ کر انھوں نے کاغذ قلم اس کے سامنے رکھ دیا...

"میں... میں اس کا مطلب نہیں سمجھا۔"

"مطلب بھی سمجھ میں آ جائے گا... آپ یہ کام تو کریں۔"

گل خان کاغذ پر لکھنے لگا... اس نے اطمینان سے چند جملے لکھ دیے اور قلم رکھ کر بولا:

"بس یا اور لکھوں۔"

"بس شکریہ... اب آپ جا سکتے ہیں... ملازم نمبر ۲ کو بھیج دیں۔"

اس کے کمرے سے نکلتے ہی انھوں نے تحریر کو غور سے دیکھا اور پھر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے... اس خط کی تحریر میں اور کاغذ پر مکمل تحریر میں زبردست مشابہت تھی...

سازش

گہرے تاریک کمرے میں آواز گونجی :

"کیا رپورٹ ہے؟"

انسپکٹر جمشید کو خط مل گیا ہے سر... اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ خط ملنے کے تھوڑی دیر بعد ہی سر کبیر خان کی حویلی گئے ہیں... اور اب تک وہیں ہیں۔"

"بہت خوب ... اس کا مطلب ہے... ہمارا پروگرام ہماری مرضی کے عین مطابق شروع ہو گیا ہے۔"

"یس سر... آپ کا جواب نہیں۔"

"کام کی بات کرو ... میں پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ میں چاپلوسانہ باتیں پسند نہیں کرتا۔"

"او کے سر۔"

"دوسرا خط اس طرح پوسٹ کرو کہ صبح ہوتے ہی وہ مل جائے.. جیسا کہ دعوت رات کو ہے۔"

"یس سر" کہا گیا۔

"نگرانی کا کام تیز کر دو... کہیں کوئی کسر نہ رہ جائے... ہمیں ناکام نہیں ہونا چاہیے... اگر ہم ناکام ہو گئے تو بہت الجھن ہو گی۔" آواز لہرائی۔

"آپ فکر نہ کریں سر... ایسا ہی ہو گا۔"

"ایک اور بات... ان لوگوں کو اس بات کا یقین ہو جائے گا... یا نہیں کہ واردات ہونے والی ہے؟"

"ضرور ہو جائے گا۔"

"شکریہ جانوٹ... اب تم جا سکتے ہو۔"

کمرے میں قدموں کی آواز گونج اٹھی... پھر کمرے کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنائی دی... اس کے بعد کچھ ٹائپ کرنے کی آواز آنے لگی... ایک گھنٹے بعد کمرہ پھر تاریک ہو گیا... اور قدموں کی آواز گونج اٹھی...

"کیا رپورٹ ہے؟"

"ہر کام مکمل کر لیا گیا ہے... ہر کام اپنے وقت پر ہو گا... کسی کام میں ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہو گا۔"

"بہت خوب... اس کا مطلب ہے... ہمارا پروگرام ہماری مرضی کے عین مطابق شروع ہو چکا ہے۔"

"یس سر... کامیابی آپ کے قدم چومنے کے لیے بے تاب

ہے۔"

"ایک بات کا خیال رہے... حویلی کے ہر مہمان کے دل و دماغ میں یہ بات رچ بس جائے کہ وہاں واردات ہونے والی ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں سر... ایسا ہو کر رہے گا۔"

"اور یہی ہماری کامیابی ہو گی... اگر ہمارا مہمان پہلے ہی خوف زدہ ہو گیا تو ہمارا کام بہت آسان ہو جائے گا۔"

"وہ اس حد تک خوف زدہ ہوں گے کہ سوائے خوف کے ان کے آس پاس کوئی احساس نہیں ٹک سکے گا۔"

"بس یہی میں چاہتا ہوں۔"

"لیکن سر... آخر آپ کا ان تمام باتوں سے مقصد کیا ہے۔"

"میری باتوں کی تہ تک پہنچنا آسان کام نہیں... اپنے ذہنوں کو نہ تھکاؤ... اور کام کرتے رہو۔"

"بہت بہتر سر... میں اجازت چاہتا ہوں۔"

قدموں کی آواز پھر ابھری... کمرہ ایک بار پھر روشن ہو گیا اور ٹائپ کی آواز ابھرنے لگی...

○

باقی پانچ ملازم کوئی خاص بات نہ بتا سکے... انسپکٹر جمشید نے ایک بار پھر گل خان کو بلایا:

"جی فرمایئے! اب میرے لیے کیا حکم ہے۔"

"گل خان... آپ اس گھر کے سب سے پرانے اور وفادار ملازم ہیں... یہ ٹھیک ہے۔"

"ہاں جناب... اس میں کیا شک ہے... میرے باپ دادا تک اس گھرانے کے ملازم اور وفادار تھے۔"

"تو پھر وہ خط آپ نے اس گھر سے وفاداری کی بنیاد پر لکھا تھا۔"

"جی خط... کون سا خط؟" اس نے حیران ہو کر کہا۔

"یہ خط۔" انھوں نے خط نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ وہ جلدی جلدی خط پڑھنے لگا... پھر سر اٹھایا اور نفی میں سر ہلا کر بولا:

"نہیں جناب... یہ خط میں نے نہیں لکھا۔"

"مسٹر گل خان... اپنی اس تحریر اور خط کی تحریر پر غور کریں... کیا یہ دونوں ایک آدمی کی نہیں ہیں۔"

"نہیں... یہ خط کم از کم میں نے نہیں لکھا۔"

"تب پھر اس خط کی تحریر اس قدر ملتی جلتی کیوں ہے۔"

"میں نہیں جانتا... آپ کسی ماہر سے دونوں تحریروں

کو چیک کرا لیں۔"

"یہ تو خیر میں کروں گا ..." وہ مسکرائے ... پھر بولے:

"کل جو مہمان آنے والے ہیں ... ان کی فہرست مل سکے گی؟"

"فہرست خان صاحب کے پاس ہو گی۔"

"اچھا شکریہ ... میں چند باتیں خان صاحب سے پھر کرنا چاہتا ہوں۔"

"آئیے۔" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

وہ ایک بار پھر سر کبیر خان کے کمرے میں داخل ہوئے اور ساری بات انھیں بتانے کے بعد بولے:

"کیا آپ اس دعوت کا پروگرام کینسل نہیں کر سکتے۔"

"کیا مطلب ... آخر میں دعوت کا پروگرام کیوں کینسل کردوں۔" انھوں نے منہ بنا کر کہا۔

"اگر اس دعوت میں واقعی کوئی قتل ہو گیا تو کیا یہ بات آپ کے لیے پریشان کن نہیں ہو گی۔"

"ضرور ہو گی ... لیکن میرا خیال ہے ... کسی نے مذاق کیا ہے ... اور پھر ابھی پورے چوبیس گھنٹے باقی ہیں ... آپ تفتیش کریں اور خط لکھنے والے تک پہنچ جائیں ... اسے معلوم ہی ہو گا کہ کون قتل ہونے والا ہے ... اور قاتل

کون بننے والا ہے؟"

"نہیں! خط میں اس نے لکھ دیا ہے کہ وہ صرف یہ جملہ سن سکا تھا ... کسی کو دیکھ نہیں سکا ... اس نے یہ بھی نہیں لکھا کہ اس نے یہ جملہ کس جگہ سنا تھا ... آیا اس حویلی میں ... یا کہیں اور۔"

"جملہ اگر یہاں سنا گیا تھا ... تب خط لکھنے والا گھر کا کوئی فرد ہو گا، یا کوئی ملازم ... آپ چھان بین کریں۔"

"میں ملازمین سے بات کر چکا ہوں ... مجھے گل خان پر شک ہے ... خیال ہے کہ خط اس نے لکھا تھا۔"

"گل خان! یہ میں کیا سن رہا ہوں؟"

"جناب اگر میں ایسی کوئی بات سنتا تو آپ کو بتاتا ... نہ کہ انسپکٹر جمشید کو۔" اس نے کہا۔

"لیکن خط کی تحریر ... گل خان کی تحریر سے بہت ملتی جلتی ہے ... بے شک آپ بھی دیکھ لیں۔" یہ کہہ کر انھوں نے دونوں کاغذ ان کے سامنے رکھ دیے ... انھوں نے دونوں کی تحریر کو غور سے دیکھا اور بولے:

"یہ ملتی جلتی تو ضرور لگتی ہیں ... خیر میں تحریر کا ماہر نہیں ... یہ فیصلہ کرنا آپ کا کام ہے ... دوسری بات یہ کہ خط لکھنے والے نے اگر خط واقعی درست لکھا ہے

اور اس میں جھوٹ نہیں لکھا تو پھر اس پر کوئی جرم نہیں
عاید نہیں کیا جا سکتا۔"

"ہم اس پر کوئی جرم عاید کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے،
نہ اسے گرفتار کرنا چاہتے ہیں... ہم تو بس اس سے معلومات
حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"ضرور معلومات حاصل کریں... میں نے کب روکا ہے...
اگر واقعی کوئی میرے گھر میں کام کرنا چاہتا ہے تو آپ کے
پاس چوبیس گھنٹے ہیں... آپ اسے پکڑ لیں۔"

"جی بہتر... مطلب یہ کہ آپ دعوت کا پروگرام ملتوی نہیں
کریں گے۔"

"نہیں جناب... تمام دعوت نامے جا چکے... دعوت
کی تمام تیاریاں ہو چکی ہیں... ہوٹل تھری سٹار کو انتظامات
کا ٹھیکا دیا جا چکا ہے... بے تحاشا اخراجات ہو چکے
ہیں..."

"لیکن خان صاحب... ایک انسانی جان ان تمام اخراجات
اور انتظامات سے زیادہ قیمتی ہے۔"

"بے شک... تو کیا آپ یا میں کسی کی آئی ہوئی موت
کو ٹال سکتے ہیں... اگر کسی مہمان کی موت میری اس دعوت
میں لکھی ہے تو کیا ہم اس سلسلے میں کچھ کر سکتے ہیں۔"

"ہرگز نہیں کر سکتے... لیکن ہم وقت سے پہلے کچھ حفاظتی انتظامات
ضرور کر سکتے ہیں... اس طرح کم از کم قاتل نہیں بچ سکے گا۔"

"تو کریں۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔

"اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابھی اس کی موت نہ آئی
ہوئی ہو... قاتل ہمارے انتظامات دیکھ کر اپنا پروگرام
ختم کر دے۔"

"آپ کا جو جی چاہے... وہ کریں... میں کوئی اعتراض
نہیں کروں گا... لیکن دعوت ہو کر رہے گی۔"

"آپ کی مرضی... لیکن آپ یہ سوچ لیں... یہ پروگرام
آپ کے قتل کا بھی ہو سکتا ہے۔"

"کیا... یہ آپ کیا کہ رہے ہیں..." سر کبیر خان چلا
اٹھے۔

"اب ہمیں یہ تو معلوم نہیں... کہ قتل کون ہو گا... لہذا
وہ کوئی بھی ہو سکتا ہے... ویسے آپ کے قتل سے کسی
کو کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے... بتا سکتے ہیں۔"

"میرے پاس بے تحاشا دولت ہے... میرے بہت
سے عزیز ہیں... ان سب کے کام آئے گی... میری
کوئی اولاد نہیں ہے۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"آپ کے عزیزوں میں سے کوئی ایسا شخص... جس

کو آپ کی دولت کا بہت بڑا حصہ ملے گا۔"

"ہاں! وہ رضوان قدیر ہے... میری بہن کا بیٹا، اور وہ مجھے بہت پسند بھی ہے۔"

"کیا کل کی دعوت میں وہ بھی ہوں گے؟"

"بھلا کیوں نہیں ہو گا۔"

"اچھا! اب ہم چلیں گے... ہم سے جو ہو سکا... کریں گے... اور ہاں جانے سے پہلے ہم لوگ پوری حویلی کی تلاشی لینا چاہتے ہیں... کیوں کہ کل دعوت سے پہلے بھی ہم آ کر حویلی کو چیک کریں گے... اور اس طرح اگر کوئی تبدیلی کی گئی ہو گی تو ہمارے علم میں آ جائے گی... اور ہاں مہمانوں کی ایک فہرست بھی ہمیں دے دی جائے۔"

"ضرور... کیوں نہیں... گل خان... تم انھیں پوری حویلی دکھا دو... فہرست کی نقل تیار کر دو۔"

پوری حویلی دیکھنے کے بعد وہ وہاں سے لوٹے:

"کیوں نہ لگے ہاتھوں ہم رضوان قدیر سے مل لیں؟" محمود بولا۔

"کوئی حرج نہیں..." انسپکٹر جمشید نے سر ہلایا۔

فہرست میں تمام مہمانوں کے پتے اور فون نمبر درج

تھے... لہذا انھیں تلاش کرنے میں کوئی دقت نہ ہوئی... رضوان قدیر بالکل نوجوان سا تھا... اور شرمیلا بھی... ان کے نام سن کر اس کے چہرے پر حیرت دوڑ گئی...

"آپ کو بھلا مجھ سے کیا کام ہو سکتا ہے؟"

انھوں نے تفصیل سنا دی... وہ اور پریشان ہو گیا:

"اب اللہ جانے... کون قتل ہونے والا ہے؟"

"ان حالات میں تو یہ دعوت نہیں ہونی چاہیے۔" انسپکٹر جمشید نے کہا۔

"ہاں! نہیں ہونی چاہیے... لیکن میں جانتا ہوں... ماموں جان نہیں مانیں گے... یہی بات ہے نا؟"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"ماموں جان کے فیصلے کو تبدیل کرانا میرے بس کی بات نہیں جناب... وہ ہمیشہ اپنی مرضی چلاتے ہیں۔"

"ہم آپ کے پاس اس لیے نہیں آئے۔"

"تو پھر... کس لیے آئے ہیں؟"

"اس دعوت میں قتل آپ کے ماموں جان کا بھی ہو سکتا ہے اور ان کے قتل کا سب سے زیادہ فائدہ آپ کو ہو گا۔"

"ارے باپ رے... کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ

میں نے یہ منصوبہ بنایا ہے۔"

"ہم یہ نہیں کہتے، لیکن ایسا ہو تو سکتا ہے۔"

"میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ یہ ہو سکتا ہے یا نہیں..." وہ پریشان نظر آنے لگا۔

"کیوں خیر تو ہے؟"

"اب اگر واقعی ایسا ہو جاتا ہے... یعنی کوئی شخص میرے ماموں جان کو قتل کر دیتا ہے تو پولیس تو بلاوجہ مجھ پر شک کرے گی۔"

"لیکن اگر آپ بے گناہ ہوں گے تو آپ کا کچھ نہیں بگڑے گا... اس لیے کہ اس کیس کی تفتیش ہم کر رہے ہیں، اور ہمارا طریقہ کار عام پولیس جیسا نہیں ہے... بلکہ ہمارے ملک کی پولیس کے پاس تو تفتیش کرنے کا کوئی طریقہ ہے ہی نہیں... جس پر شک کا اظہار کر دیا جاتا ہے یا جس کے خلاف رپورٹ درج کرا دی جاتی ہے... بس اسی کو گرفتار کر لیا جاتا ہے... اور مار پیٹ کرکے مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ جرم کا اقرار کرے... ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں... جنھوں نے جرم نہیں کیا ہوتا... لیکن وہ جرم کا اقرار کر لیتے ہیں... نہ صرف اقرار کر لیتے ہیں، بلکہ آلۂ قتل تک برآمد کرا دیتے ہیں... وہ اپنے رشتے داروں

کو پیغام بھیجتے ہیں... ایک عدد بندوق کہیں سے لا کر پولیس کے حوالے کر دو... تاکہ میری جان چھوٹ جائے۔"

"اُف مالک... کہیں میں ان حالات کا شکار نہ ہو جاؤں۔"

"اوّل تو اس بات کا امکان بہت کم ہے کہ ہونے والی واردات میں سر کبیر خان کا قتل ہو... اور اگر ایسا ہو ہی گیا... تو بھی ہم بغیر تحقیقات کے آپ کو ہرگز گرفتار نہیں کریں گے۔"

"بہت بہت شکریہ... میں اس دعوت میں جاؤں گا ہی نہیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی... کیا سر کبیر خان آپ کی غیر حاضری کو محسوس نہیں کریں گے۔"

"نہیں... میں اگر نہیں جاؤں گا تو شاید وہ خوشی محسوس کریں گے... اس لیے کہ مجھ جیسوں کی موجودگی میں سر کبیر خان اور ان کے دوست بے تکلفانہ انداز میں بات چیت نہ کر سکتے۔" اس نے کہا۔

"خیر... وہ تو دوسری بات ہے... ویسے اگر آپ دعوت میں شریک نہیں ہوں گے تو آپ پر اور بھی زیادہ شک کیا جائے گا... اس صورت میں آپ کو اپنی کسی دوسری

جگہ موجودگی ثابت کرنا پڑے گی۔"

"اس کا مطلب ہے... مجھے ہر حال میں پریشانی ہو گی۔"

"اگر قتل واقعی سر کبیر خان ہوئے تو... ورنہ نہیں..."

انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"مہربانی فرما کر اتنے خوف ناک الفاظ نہ ادا کریں... میں بہت ڈرپوک واقع ہوا ہوں... میں ماموں جان سے کہوں گا کہ وہ دعوت کا پروگرام ہی ختم کر دیں۔"

"ختم نہیں... ملتوی کر دیں... چند دن بعد وہ بے فکر ہو کر دعوت کر سکیں گے... کیوں کہ ہم اس سازش کی تہ تک پہنچ چکے ہوں گے۔"

"اللہ کرے وہ یہ بات ہی مان لیں۔" رضوان قدیر نے فوراً کہا۔

اور وہ مسکراتے ہوئے باہر نکل آئے...

"اب کیا کریں بھئی... ہم اب تک کوئی خاص بات معلوم نہیں کر سکے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے کہ ہم کوئی خاص بات معلوم نہیں کر سکے... لیکن ایک بات ضرور ہے۔" فرزانہ نے سوچ کے عالم میں کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ ہم نے دو اہم ترین آدمیوں سے ملاقات کر لی ہے... ارے ہاں... ہم رضوان قدیر سے تحریر لینا تو بھول ہی گئے... جب کہ یہ بہت ضروری تھا۔"

"واقعی... یہ ضروری تھا... ہم ابھی زیادہ دور نہیں آئے، آؤ واپس چلتے ہیں... اس کام میں دیر ہی کیا ہو گی۔"

وہ واپس پلٹے... کار سے اتر کر پھر اس کے دروازے پر آئے... جب وہ رخصت ہوئے تھے تو رضوان قدیر دروازے تک نہیں آیا تھا... انھوں نے دیکھا، دروازہ ابھی تک جوں کا توں کھلا ہوا ہے:

"کیا خیال ہے... دستک دیں یا ویسے ہی چلیں۔"

"اصولی طور پر دستک ضروری ہے۔"

محمود نے دستک دی... ایک منٹ گزر گیا... لیکن رضوان قدیر دروازہ کھولنے نہ آیا... اب تو وہ بہت حیران ہوئے اور تینوں اندر داخل ہو گئے... اور پھر ان کی حیرت یک لخت اور بڑھ گئی...

گھبرانے کی مجبوری

انھوں نے پورا مکان دیکھ ڈالا... اندر کہیں بھی رضوان قدیر نظر نہ آیا...

"یہ کیسے ہو سکتا ہے بھئی..." انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"ہو سکتا ہے... مسٹر رضوان قدیر کہیں کسی کام سے چلے گئے ہوں۔" محمود نے خیال ظاہر کیا۔

"لیکن کس راستے سے اور پھر گھر کے دروازے پر انھوں نے تالا کیوں نہیں لگایا۔"

"تب پھر صرف اور صرف ایک ہی بات کہی جا سکتی ہے، اور وہ یہ کہ انھوں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے... وہ گھر سے خود غائب ہوئے ہیں..." فاروق نے خیال ظاہر کیا۔

"سوال یہ ہے کہ کیوں... انھیں ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"اس بات پر ہمیں بہت حیرت ہے... ویسے ہم انھیں تلاش کرنے کی کوشش کریں گے... کل کی دعوت سے پہلے ان کا مل جانا بہت ضروری ہے... ورنہ دعوت میں واردات بہت سنگین ہو جائے گی۔" انسپکٹر جمشید نے فکرمندانہ انداز میں کہا۔

آخر انھوں نے اکرام کو فون کیا... گھر سے انگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے، پڑوسیوں سے سوالات کیے گئے... ایک پڑوسی نے انھیں بتایا:

"رضوان قدیر بہت بھولا بھالا بچہ ہے... محلے میں اس سے کسی کو کوئی شکایت نہیں... دوسروں کو خوشی دے کر خوش ہوتا ہے... اکیلا رہتا ہے... اس کے ماں باپ فوت ہو چکے ہیں... یہ مکان اس کے ماں باپ نے بنوایا تھا، لہٰذا اب یہ اسی کا ہے... سنا ہے کہ وہ ایک پرائیویٹ فرم میں ملازم ہے... کس فرم میں... یہ مجھے معلوم نہیں۔"

ان معلومات نے انھیں اور بھی پریشان کر دیا...

"اگر اس غریب کو اغوا کر لیا گیا ہے... تو یہ معاملہ پریشانی پیدا کرے گا اور اگر وہ خود غائب ہوا ہے تو بھی الجھن بڑھے گی... ہاں اگر وہ مل جاتا ہے... اور گمشدگی کے پیچھے کوئی خاص بات نہیں ہے تو پھر ہم سب اطمینان محسوس کریں گے... کیا خیال ہے۔"

"بالکل ٹھیک خیال ہے... آپ کا ابا جان۔"

جہاں تک ان سے ہو سکتا تھا... رضوان قدیر کو تلاش کیا گیا.. سر کبیر خان کو بھی اس کی گم شدگی کی اطلاع دی گئی... وہ تو سن کر سُن ہو گئے... پھر پولیس تھانے میں رپورٹ بھی درج کرا دی گئی... دوسرے دن صبح تک رضوان قدیر کا جب کوئی پتا نہ چل سکا... تو انسپکٹر جمشید نے سر کبیر خان کو فون کیا:

"دیکھیے جناب! ان حالات میں میں آپ کو ہرگز اس دعوت کے پروگرام کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"لیکن جناب... مجھے آپ سے اجازت لینے کی ضرورت بھی کیا ہے۔" انھوں نے جل کر کہا۔

"یہ ٹھیک ہے... آپ کو مجھ سے اجازت لینے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں... لیکن پھر ذمے داری آپ پر ہو گی۔"

"کس چیز کی؟"

"واردات جو ہونے والی ہے... اس کی..."

"مجھ پر کیوں ہو گی... جو شخص واردات کرے گا، اس پر ہو گی۔" انھوں نے جھک کر کہا۔

"لیکن اگر آپ دعوت کا پروگرام ختم کر دیں یا کچھ دنوں کے لیے ملتوی کر دیں تو آپ کی کوٹھی میں کم از کم یہ

واردات نہیں ہو سکے گی۔"

"اب دعوت تو ہو کر رہے گی۔"

"آپ جانتے ہیں... کل دعوت میں کیا ہو گا؟"

"کیا ہو گا؟"

"ہر شخص خوف کا شکار ہو گا... ایسے میں دعوت کا کیا مزا آئے گا۔"

"مزا آئے نہ آئے... دعوت ہو گی۔" انھوں نے بضد ہو کر کہا۔

"اچھا چلیے آپ کی مرضی۔" انھوں نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

دوسرے دن کے اخبارات نے پہلے صفحے پر بڑی بڑی سرخیوں کے ساتھ رضوان قدیر کی گم شدگی کی خبریں شائع کیں... اور اس کی بڑی بڑی تصاویر لگائیں... ناشتے کے دوران وہ ان خبروں اور تصاویر کو دیکھ کر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے:

"حیرت ہے... اخبارات نے آخر رضوان قدیر کو اس قدر اہمیت کیوں دی۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"یہ بات واقعی عجیب ہے... کیوں نہ اخبارات کے ایڈیٹروں سے معلوم کیا جائے۔" فرزانہ فوراً بولی۔

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

انسپکٹر جمشید نے اسی وقت ایک اخبار کے ایڈیٹر کو فون کیا اور سلسلہ ملتے ہی اپنا تعارف کرانے کے بعد بولے:

"آخر رضوان قدیر کو اس قدر اہمیت کس بنا پر دی گئی؟"

"اس لیے سر کہ وہ سر کبیر خان کے بھانجے ہیں اور ان کی دولت کے سب سے بڑے حصے دار ہیں۔"

"تو کیا ہوا... سر کبیر خان کی کوئی نہ تو سیاسی اہمیت ہے، نہ ملکی... نہ قومی... بس وہ ایک دولت مند آدمی ضرور ہیں... اور ان جیسے دولت مند تو ملک میں نہ جانے کتنے ہوں گے... پہلے بھی دولت مند لوگوں کے بچے غائب ہوتے رہے ہیں... اخبارات نے اس قدر نمایاں کر کے تو کبھی خبریں شائع نہیں کیں... جب کہ میں دیکھ رہا ہوں... صرف آپ کے اخبار نے ہی نہیں... تمام اخبارات نے خاص اہمیت دی ہے... کیا یہ بات عجیب نہیں ہے؟"

"ہمارے لیے تو نہیں ہے سر... یہ اخبارات فروخت کرنے کے طریقے ہیں اور بس۔"

انھوں نے تنگ آ کر ریسیور رکھ دیا... چند لمحے سوچتے رہے... پھر بولے:

"یوں کام نہیں چلے گا... ضرور کہیں کوئی گڑبڑ ہے... ہمیں کسی ایڈیٹر سے خود چل کر بات کرنا ہو گی... فون پر ہم چہرے کے تاثرات نہیں دیکھ پاتے۔"

"تو پھر چلیے..." محمود نے فوراً کہا۔

"لیکن آپ کے دفتر کا کیا ہو گا... اور ہمارے سکول کا۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"میں دفتر فون کرتا ہوں... تم سکول۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

تھوڑی دیر بعد وہ ملک کے بہت بڑے اخبار کے ایڈیٹر کے سامنے بیٹھے تھے... اور وہ کافی پریشان نظر آ رہا تھا:

"جی فرمائیے... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"رضوان قدیر..." انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی رضوان قدیر... کیا مطلب؟"

"آج کے اخبار میں رضوان قدیر کے بارے میں خبر چھپی ہے؟"

"جی ہاں! چھپی ہے... تو پھر۔"

"اسے [illegible] نمایاں جگہ دی گئی ہے۔"

"[illegible] بہت بڑے آدمی کے بھانجے ہیں جناب۔"

"ہاں! یہ تو ہے... لیکن آج ہی کے اخبار میں ایک اور بہت بڑے آدمی کے بیٹے کی گم شدگی کی خبر بھی چھپی ہے اور وہ آدمی سر کبیر خان سے کسی طرح بھی چھوٹا نہیں..."

پھر یہ کہ اس کا بیٹا گم ہوا ہے ... جب کہ سرکبیر خان کا بھانجا
ہے لیکن دلاور شاہ گردیزی کے بیٹے کی خبر تو اتنی نمایاں نہیں
لگی۔"

"وہ ... وہ ... جی میں اب کیا بتاؤں۔"

"نہیں.. نہیں ... آپ بتایئے نا۔"

"بات یہ ہے جی ... کہ ۔" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"آخر آپ گھبرا کیوں رہے ہیں۔"

"م ... مجبوری ہے۔"

"کیا کہا ... گھبرانے کی مجبوری ہے۔" فاروق نے اور بھی
گھبرا کر کہا۔

"ہاں جناب ..."

"کیا سرکبیر خان نے کہا تھا کہ نمایاں خبریں شائع کی
جائیں۔"

"نہیں جناب! ایسی کوئی بات ہرگز نہیں۔"

"تو پھر کوئی بات ہو گئی ہے۔" فاروق مسکرایا۔

ایڈیٹر نے اسے بری طرح گھورا۔

"شاید آپ کو میری بات ناگوار گزری، میں اپنے الفاظ
واپس لیتا ہوں۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

"نن ... کوئی بات نہیں۔

"آپ کا اکاؤنٹ کون سے بنک میں ہے جناب۔" اچانک فرزانہ
نے سوال کیا۔

"کیا مطلب؟"

"میں نے کوئی مشکل سوال نہیں پوچھا... نہ الفاظ مشکل ہیں۔"

"آپ میرا اکاؤنٹ نمبر اور بنک کا نام جاننا چاہتی ہیں۔"

"جی ہاں!" فرزانہ مسکرائی۔

"لیکن کیوں؟"

"مجبوری ہے۔" فرزانہ بولی۔

"میرا اکاؤنٹ سرفراز بنک میں ہے... اکاؤنٹ ہے نمبر ۹۱۳۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

وہ وہاں سے سرفراز بنک کی مرکزی شاخ میں آئے...
اس کے مینجر سے ملے...

"اکاؤنٹ نمبر ۹۱۳ میں کل سے پہلے کتنی رقم جمع تھی اور
آج کتنی ہے۔"

"لیکن سر... ہمیں یہ بتانے کی اجازت نہیں ہوتی۔"

"یہ سرکاری معاملہ ہے... اگر نہیں بتائیں گے تو پھر میں
سرکاری حکم لے کر آؤں گا۔"

"اچھی بات ہے۔" مینجر بولا... پھر اس نے کھاتہ وہیں
منگوا لیا اور ان کے سامنے کھول دیا...

"کل سے پہلے نو ہزار پانچ سو روپے جمع تھے اور آج بھی نو ہزار پانچ سو روپے جمع ہیں۔"

"گویا آج کوئی بڑی رقم اس اکاؤنٹ میں جمع نہیں کرائی گئی؟"

"جی نہیں۔"

"اچھا... یہ بتائیں... ایڈیٹر شومی نے بنک میں کوئی لاکر تو کرائے پر نہیں لے رکھا۔"

"لاکر... مسٹر شومی نے؟" مینجر بولا۔

"ہاں جناب لاکر۔"

"جی ہاں! یہاں انھوں نے ایک لاکر لے رکھا ہے۔"

"ہمارے ساتھ چلیے... ہم اسے کھول کر دیکھنا چاہتے ہیں۔"

"یہ نہیں ہو سکتا جناب... اس کی دوسری چابی ان کے پاس ہے۔"

"آپ ایک چابی تو لگائیں... دوسری میں اپنے پاس سے لگاؤں گا۔"

"لیکن یہ بالکل غیر قانونی حرکت ہو گی۔"

"بھئی ہم اس میں سے کچھ چرائیں گے تھوڑا... صرف جائزہ لیں گے... اور بس۔"

"نہیں جناب! میں یہ کام نہیں کروں گا۔"

"مجھے افسوس ہے... آپ کو یہ کام کرنا پڑے گا۔"

"جی... کیا مطلب؟"

"میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ یہ سرکاری معاملہ ہے... اور بہت سنگین معاملہ ہے... آپ وقت ضائع نہ کریں... اگر آپ پر کوئی آنچ آئی تو مجھے فون کر دیجیے گا... ان شاء اللہ میں دیکھ لوں گا۔"

"اچھی بات ہے... آپ ذمّے دار ہوں گے۔"

"ہاں ہاں! بالکل!"

وہ ان کے ساتھ لاکر تک آیا... اس نے اپنے والی چابی لگائی... انسپکٹر جمشید نے اپنی ماسٹر کی اس میں گھمائی... لاکر کھل گیا... مینجر حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا... جونہی لاکر کھلا وہ حیران رہ گئے... لاکر بڑے کرنسی نوٹوں کی گڈیوں سے بھرا ہوا تھا اور اس میں ہیرے جواہرات بھی بے تحاشا تھے۔

"اخبار کے ایک ایڈیٹر کی تنخواہ کتنی ہوتی ہو گی جناب؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"مجھے کیا معلوم سر... یہ تو آپ ان سے پوچھیں۔"

"اچھی بات ہے... آپ اس لاکر کو تالا لگا دیں۔"

تالا لگا دیا گیا تو انسپکٹر جمشید بولے:

"یہ چابی مجھے دے دیں۔"

"جی... کیا مطلب؟"

"ہاں بس... آپ دے دیں... میں آپ کو اس کی رسید لکھ کر دوں گا... فکر نہ کریں۔"

اسے اس ہدایت پر بھی عمل کرنا پڑا... اور پھر وہ دوبارہ اخبار کے دفتر پہنچے...

"کیوں جناب ہو گیا آپ کا اطمینان۔" شوکی نے چہک کر کہا۔

"ہم اتنے سیدھے نہیں کہ آسانی سے اطمینان ہو جائے۔"

"جی... کیا مطلب؟"

"اس بنک میں آپ کا ایک عدد لاکر بھی ہے۔"

"ہاں تو پھر... اس سے کیا ہوتا ہے... کیا لاکر لینا غیر قانونی کام ہے۔"

"نہیں... بالکل قانونی ہے... آپ کی تنخواہ کتنی ہے۔"

"کیا مطلب..." وہ اور زیادہ زور سے چونکا۔

"تنخواہ کتنی ہے آپ کی۔" انھوں نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔

"ساڑھے تین ہزار روپے ماہانہ۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"شکریہ! آپ بالکل نوجوان ہیں... ملازم ہوئے زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا ہو گا۔"

"تقریباً چار سال سے اس اخبار کا ایڈیٹر ہوں۔"

"چار سال کے مہینے ہوئے اڑتالیس... اڑتالیس کو اگر ہم ساڑھے تین سے ضرب دیں تو یہ بنتے ہیں... ایک لاکھ اڑسٹھ ہزار روپے کل... اس میں سے ظاہر ہے... آپ نے اپنے گھر والوں اور اپنے اوپر بھی خرچ کیے ہوں گے... لیکن آپ کے لاکر میں تو اس وقت شاید ایک کروڑ روپے کا مال ہو گا۔"

"نہیں!" وہ چلا اٹھا۔

"آپ نے اتنی دولت کیسے حاصل کی... آپ اپنا ذریعہ آمدنی بتائیں۔"

اس پر گویا بجلی سی گر پڑی۔

"صاف ظاہر ہے... آپ اخبار کے ذریعے لوگوں کو بلیک میل کرتے ہیں اور اس خبر کے معاملے میں تو میں صرف اتنا کہوں گا کہ آپ کو کسی نے بڑی رقم دے کر یہ خبریں لگوائی ہیں... بھلا کون ہے وہ؟"

"میں... میں اسے نہیں جانتا۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"اس نے فون پر بات کی تھی اور کہا تھا کہ اگر میں پہلے

صفحہ پر نمایاں خبر لگادوں تو مجھے پچیس ہزار روپے ملیں گے... میں
نے اس سے کہا کہ پہلے ادا کرو... چنانچہ اس نے ایک لڑکے
کے ہاتھ ایک پیکٹ بھیج دیا... اس میں پچیس ہزار روپے تھے۔"

"ہوں... تو اس طرح لگی یہ خبر... گویا دوسرے ایڈیٹر
بھی ایسا کرتے ہیں... اب ان کے خلاف بھی کارروائی ہو
گی... فی الحال آپ تو جائیے حوالات..."

"آ... آپ مجھے حوالات بھجوائیں گے۔"

"ہاں بھئی... دوسرے پولیس آفیسر ضرور آپ لوگوں سے
ڈرتے ہوں گے... ان کی کمزوریاں آپ لوگوں کے علم میں
ہوتی ہیں... لیکن ہمارے ہاں ایسا نہیں ہے... ہم لوگ
رشوت خور نہیں ہیں... اور بھی کوئی کمزوری ایسی نہیں،
جس کے اخبار میں شائع ہونے سے ہمیں پریشانی ہو... لہٰذا
آپ کچھ بھی کریں ہمارے خلاف... لیکن آپ پر کیس چلے گا
ان شاء اللہ... اور آپ اس لاکر سے اور بنک سے کوئی
پیسہ نہیں نکال سکیں گے۔"

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے:

"سنیے... سنیے..." وہ کانپ گیا۔

"پہلی اور آخری بات... وہ کون تھا... جس نے آپ
کو یہ خبر نمایاں طور پر شائع کرنے کے لیے رشوت دی۔"

"میں واقعی اسے نہیں جانتا۔"

"اچھی بات ہے... اب سنائیے... آپ کیا سنانا چاہتے
ہیں۔"

"کیا آپ اس معاملے میں درگزر نہیں فرما سکتے... میں وعدہ
کرتا ہوں... آیندہ تمام زندگی ایسا نہیں کروں گا۔"

"اور اس دولت کا کیا کیا جائے... جو آپ نے جمع
کر رکھی ہے۔"

"وہ... وہ دولت..." وہ پریشان ہو گیا۔

"وہ غریبوں میں تقسیم کر دیتے ہیں... اگر یہ منظور ہے تو
ٹھیک... ورنہ جیل جانا پڑے گا۔"

"مجھے... مجھے منظور ہے۔"

"اچھی بات ہے... یونہی سہی۔"

وہ وہاں سے نکل آئے... باقی ایڈیٹروں سے مل کر
انھوں نے وقت ضائع کرنا بے کار خیال کیا... یہ کام وہ
بعد میں بھی کر سکتے تھے... انھیں ان سے اس نامعلوم آدمی
کا نام معلوم ہونے کی کوئی امید نہیں رہی تھی...

"آخر کسی کو کیا ضرورت تھی... ایسا کرنے کی۔"

"اب شہر میں یہ بات مشہور ہو جائے گی کہ سر کبیر
خان کی دعوت میں کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضرور ہونے والی

ہے۔" محمود نے کہا۔

"یہ کیسے... اس خط والا معاملہ تو اخبارات میں نہیں آیا۔"

"دعوت میں جو لوگ شرکت کر رہے ہیں... انھیں تو حالات ضرور معلوم ہو جائیں گے... ہر کوئی سر کبیر خان کو فون کر کے پوچھے گا کہ بھئی... یہ کیا معاملہ ہے... اور وہ انھیں اس خط کے بارے میں بتانے پر مجبور ہوں گے... اس طرح ہر مہمان کو یہ بات معلوم ہو کر رہے گی کہ وہاں کوئی واردات ہونے والی ہے۔"

"اس طرح تو شاید وہاں مہمان جائیں گے ہی نہیں۔"

"یہ اور اچھا ہے... لیکن کچھ سر پھرے ضرور جائیں گے... خیر دیکھا جائے گا... اصل میں تو اب رات کو ہی معلوم ہو سکے گا کہ کیا ہوتا ہے اور کیا نہیں۔"

"جی ہاں! بالکل... میرا مشورہ بھی یہی ہے کہ گھر چلتے ہیں... امی جان کھانے کے ساتھ بیٹھی سوکھ رہی ہوں گی۔" فاروق نے جلدی سے کہا۔

وہ مسکرا دیے اور گھر پہنچے۔

"کمال ہے... آپ آج بہت جلدی آ گئے... میرا تو خیال تھا، اب نہیں آئیں گے... دعوت سے فارغ ہو کر ہی آئیں گے۔"

"فاروق کو دعائیں دو بیگم... اس نے تمھارا خیال دلایا۔"

"شکریہ فاروق... اللہ تمھاری عمر دراز کرے۔"

"آمین!" فاروق بولا۔

"کیا رہا اس خط والے معاملے کا۔"

"کیوں... کیا کھانے میں دیر ہے۔" انسپکٹر جمشید چونک کر بولے۔

"جی... نہیں تو... یہ دیکھیے... کھانا تو بالکل تیار ہے... بلکہ لگایا جا چکا ہے۔" یہ کہہ کر انھوں نے کھانے پر ڈھانپا ہوا کپڑا اٹھا دیا۔

"تو پھر خط کی بات کیوں پوچھی۔"

"میں بھی سسپنس محسوس کر رہی ہوں۔" وہ مسکرائیں۔

انھوں نے مختصر طور پر تمام باتیں بتا دیں اور پھر کھانا شروع کیا... کھانے کے بعد اکرام کو فون کیا۔

"ہاں بھئی... کیا رہا اس کا۔"

"کہیں پتا نہیں چل سکا۔"

"بھئی بہت پر اسرار نکلا... ہمیں پتا ہوتا تو اسے اکیلا چھوڑ کر نہ آتے۔" انسپکٹر جمشید نے ہنس کر کہا۔

"بے چارہ مجرم کی قید میں ہو گا... مجھے تو بہت ہی بھولا بھالا لگتا تھا وہ۔" محمود نے پریشان ہو کر کہا۔

"یہ کوئی بہت گہرا چکر ہے۔"

"اور اس چکر کی تہ تک ہمیں پہنچنا ہے... میں چاہتا ہوں، وہ واردات نہ ہو۔"

"لیکن ابا جان! ہم بھلا واردات کو ہونے سے کس طرح روک سکتے ہیں... جب کہ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ قتل کون ہونے والا ہے... کم از کم یہ بات معلوم ہو جاتی تو ہم ضرور کوئی انتظام کر سکتے تھے۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔

رات نو بجے وہ سرکبیر خان کی حویلی پہنچ گئے... لیکن دروازے پر انھیں روک دیا گیا...

"آپ کا کارڈ۔"

"ہم دعوت میں شرکت کے لیے نہیں آئے... ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔"

"کیا آپ انسپکٹر جمشید ہیں۔"

"ہاں!" وہ بولے۔

"تب آپ جا سکتے ہیں... خان صاحب نے آپ کے بارے میں ہدایات دے رکھی ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" وہ اندر کی طرف بڑھے، اور پھر ایک چہکتی آواز نے ان کا استقبال کیا:

"ارے! تم لوگ بھی آ گئے یہاں... بھئی کمال ہے۔"
آواز پروفیسر داؤد کی تھی... وہ تیزی سے ان کی طرف بڑھے:

"حیرت ہے... آپ اور یہاں۔"

"ہاں بھئی... یہ سرکبیر خان ہیں... میری تو ان سے کوئی دوستی نہیں... لیکن میرے والد ان کے والد کے دوست تھے۔" پروفیسر داؤد بولے۔

"اوہو اچھا... پھر تو شاید آپ ہمیں کچھ بتا سکیں۔"

"کیا مطلب۔"

"ہم یہاں دعوت کے لیے نہیں آئے... بلکہ اپنے کام سے آئے ہیں۔"

"اوہ اچھا... وہ معاملہ... ہونے والی واردات والا۔"

"ہاں انکل... آپ ان کے بارے میں کیا جانتے ہیں۔" فرزانہ نے بے چینی کے عالم میں کہا۔

"کچھ زیادہ نہیں... سرکبیر خان کے کچھ لوگ بہت دشمن تھے... سنا ہے... وہ قدرتی موت نہیں مرے تھے... انھیں کسی نے قتل کر دیا تھا... لیکن اس قتل کو چھپایا گیا تھا اور ان کی موت قدرتی ظاہر کی گئی تھی۔"

انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

"آپ تو ہمارے لیے بہت مبارک ثابت ہوئے ہیں۔" محمود نے خوش ہو کر کہا۔

"یعنی کیا مطلب... کیا میں اب تک تم لوگوں کے لیے نامبارک رہا ہوں۔" انھوں نے بڑا مان کر کہا۔

"جی... یہ بات نہیں۔"

"اچھا تو پھر جو بات ہے، وہ بتا دیں۔"

"ابھی تک اتنی اہم بات ہمیں خود سر کبیر خان نے بھی نہیں بتائی تھی۔"

"وہ بھلا کس طرح بتاتے... خبر کو تو چھپایا گیا تھا۔"

"اور آپ کو یہ بات کس طرح معلوم ہو گئی تھی۔"

"اس طرح کہ... ارے ہاں یاد آیا... گھر کا پرانا ملازم گل خان۔"

"جی-کیا فرمایا... گل خان... تو آپ کو گل خان نے یہ بات بتائی تھی۔"

"جی... گل خان تو اس گھر کا بھیدی ہے... یہاں کا ہر راز جانتا ہے... اور کسی کو کچھ نہیں بتاتا... لیکن میرے سامنے نہ جانے اسے کیا ہو جاتا ہے... یہاں کی باتیں بتا دیتا ہے۔"

"تو سر کبیر خان کے والد کے بارے میں گل خان نے آپ کو بتایا تھا کہ وہ قدرتی موت نہیں مرے تھے... انھیں قتل کیا گیا تھا۔"

"ہاں بالکل۔"

"ارے باپ رے۔" انسپکٹر جمشید گھبرا گئے۔

"کیوں کیا ہوا؟"

"اگر یہ بات ہے تو پھر... تو... اس دعوت میں کسی اور کو نہیں... صرف اور صرف سر کبیر خان کو خطرہ ہے۔" انھوں نے کہا۔

"اوہ!" وہ دھک سے رہ گئے۔

"اب ذرا غور کریں... ادھر رضوان قدیر غائب ہیں... ادھر اگر سر کبیر خان کو قتل کر دیا جائے تو ساتھ میں دولت کے بڑے حصے دار سے بھی چھٹکارا پا لیا جائے گا... سوال یہ ہے کہ رضوان قدیر کی عدم موجودگی میں... کون اس ساری دولت کا مالک ہو گا۔"

"یہ تو ان کی مصیبت دیکھ کر ہی معلوم ہو سکے گا... یا پھر سر کبیر خان سے مل کر معلوم کیا جا سکتا ہے۔"

"تو پھر چلو... معلوم کر لیتے ہیں۔"

"کیا انھیں ہماری بات سننے کی مہلت ہو گی۔"

"مہلت ہو نہ ہو... بات تو انھیں کرنا پڑے گی... یہ زندگی

اور موت کا سوال ہے بھائی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

انھوں نے نظریں ادھر اُدھر دوڑائیں ... وہ بہت دور لان کے ایک کونے میں کھڑے کسی سے باتیں کر رہے تھے ... وہ اس طرف بڑھنے لگے ... نزدیک پہنچے تو سر کبیر خان اور ان کے ساتھ کھڑے شخص نے چونک کر ان کی طرف دیکھا ... پھر وہ بولا:

"شاید یہ لوگ بھی آپ سے علیحدگی میں کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

"جی ہاں! یہی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

وہ صاحب چلے گئے۔

"پروفیسر صاحب ... یہ حضرات آپ کو بھی اپنے ساتھ لے آئے۔"

"یہ مجھے نہیں ... میں انھیں آپ کے پاس لایا ہوں۔"

"خیر تو ہے۔"

"حالات واقعی بہت خطرناک ہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ پھر مجھے ڈرانے کے لیے چلے آئے ... دیکھ لیں ... بلکہ ابھی مہمان ایسا نہیں ... جو اندر آیا ہو۔"

"لیکن میں ان سب کے چہروں پہ خوف دیکھ رہا ہوں ... یہ لوگ ظاہر نہیں ہونے دے رہے ... ورنہ ہیں بالکل ڈرے ہوئے۔" انھوں نے کہا۔

"ہوں گے ... مجھے کیا ... میرے چہرے پہ تو آپ لوگ

کوئی خوف نہیں دیکھ رہے نا۔"

"ہم ایک دو باتیں آپ کی خدمت میں پیش کر دینا پسند کریں گے ... اس کے بعد آپ جو چاہیں کریں ... پہلی بات تو یہ ہے کہ ... آپ کے بھانجے اب تک نہیں ملے ... آپ کے بھانجے غائب ہیں اور آپ دعوت اڑا رہے ہیں ... خیر ... یہ آپ کا ذاتی معاملہ ہے ... لیکن یہ غور فرما لیں کہ اس حویلی میں اگر کوئی واردات ہوئی تو وہ آپ کا قتل ہو گا ... کسی اور کا نہیں ... کیوں کہ حالات اس طرف اشارہ دے رہے ہیں ..."

"کیا کہہ رہے ہیں آپ ..." وہ قدرے خوف زدہ ہو کر بولے۔

"جی ہاں! دیکھیے نا ... آپ کے والد کو کسی نے قتل کیا تھا ... ان کا قاتل اب تک پکڑا نہیں گیا ... یہ بات غلط ہے یا درست۔"

"بالکل غلط! میرے والد قدرتی موت مرے تھے۔"

"ہمارے انکل کی معلومات اس کے بالکل الٹ ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"اوہ ہاں! اچھا۔" انھوں نے گھبرا کر کہا۔

"آپ کے بھانجے کو بھی اغوا کر لیا گیا ہے ... اسے ذرا

غور کریں... اغوا کرنے والا اگر آپ کو... خدا نخواستہ قتل
کر دے تو... آپ کی دولت کا وارث کون ہو گا... کیا
آپ بتا سکتے ہیں۔"

"اول تو ایسی کوئی بات نہیں... اگر ہے بھی تو آپ
لوگ تو یہاں موجود ہیں۔"

"اتنے ہجوم میں کسی واردات کو ہونے سے روکنا آسان
کام نہیں جناب... جب کہ یہ بھی معلوم نہ ہو کہ کس کو قتل
کیا جانے والا ہے۔"

"آپ ایسا کریں... اپنے سادہ لباس والے چاروں طرف
پھیلا دیں۔"

"اس کا انتظام میرے اسسٹنٹ کے ذمے ہے... اور
وہ یہ کام کریں گے... آپ فکر نہ کریں... آپ کے والد
کو قتل کیا گیا تھا اور اب ایک بار پھر اس کا پروگرام ویسا
ہی ہے... وہ اس وقت گرفتار نہیں ہوا تھا... ظاہر ہے
اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد ایک بار پھر وہ کوئی واردات
کرنا چاہتا ہے... آپ صرف یہ بتا دیں، اس صورت میں
آپ کی دولت کا وارث کون ہو گا۔"

"میرا ایک دور کا رشتے دار... حکیم جان۔"

"کیا وہ اس دعوت میں موجود ہیں۔"

"میں نے انھیں دعوت میں [illegible] تھی... دراصل میں انھیں
پسند نہیں آتا۔"

"جب آپ کے والد نے وفات پائی... یہ حکیم جان کتنے
بڑے تھے۔"

"نوجوان تھے... اب تو میری عمر کے ہوں گے۔"

"گویا اب ان کا پتا چلانا پڑے گا... ان کا کوئی فون
نمبر... پتا۔"

"لکھ لیں..." یہ کہہ کر انھوں نے پتا اور فون نمبر لکھوا
دیے۔

"ہم ابھی چیک کرتے ہیں۔"

"آپ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں... مجھے تو یہاں کوئی
واردات ہوتی نظر نہیں آتی۔"

"جب کہ میرا دعویٰ ہے... یہاں واردات ضرور ہو
گی۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ اتنے یقین سے یہ بات کس طرح کہہ سکتے
ہیں۔"

"مجرم اس منصوبے پر اب تک نہ جانے کتنا خرچ
کر چکا ہے۔"

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔"

"آپ نے دیکھا نہیں ... اخبارات نے رضوان قدیر کی
گمشدگی کی خبریں کس قدر نمایاں طور پر شائع کی ہیں۔"
"ہاں! یہ بات تو میں نے محسوس کی تھی۔"
"اس نے تمام ایڈیٹروں کو بھاری رشوت دے کر
یہ کام کر دیا ہے... آخر کیوں... اس نے ایسا کیوں
کیا... ایسا کرنے سے اس کا مقصد کیا ہے... سوچ
سوچ کر میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں کہ وہ واردات ضرور
کرے گا... لیکن واردات سے پہلے یہاں موجود تمام
لوگوں کو وہ حد درجے خوف زدہ کر دینا چاہتا ہے...
اور آپ دیکھ لیں... مہمان خوف زدہ ہیں۔" انسپکٹر جمشید
نے کہا۔
"وہ کوئی پاگل ہے۔" سر کبیر خان نے جھلا کر کہا۔
"وہ پاگل نہیں... بہت بڑا منصوبہ ساز ہے... اس
نے خاص طریقے سے منصوبہ بنایا ہے... بہتر یہ تھا کہ
آپ دعوت نہ کرتے۔"
"اس موضوع پر تو پہلے ہی بات ہو چکی ہے۔"
سر کبیر خان بولے۔
"ابھی آپ کے ساتھ کون صاحب باتیں کر رہے
تھے۔"

"یہ... میرے بہت گہرے دوست کالے بھائی ہیں۔"
"کالے بھائی... یہ کیا نام ہوا۔" فاروق نے چونک
کر کہا۔
"بس ان کا بچپن کا یہی نام ہے... سب اسی نام
سے پکارتے ہیں... کیوں کیا اب آپ ان پر شک کریں
گے۔"
"نہیں... فی الحال تو میں کسی پر شک نہیں کہہ سکتا
ہاں آپ سے درخواست کروں گا کہ آپ اس طرح
تنہائی میں کسی سے بھی ملاقات نہ کریں۔"
"اچھی بات ہے... میں آپ کے مشورے پر عمل
کروں گا۔"
وہ وہاں سے ہٹ کر فون کے پاس آئے اور حکیم
جان کے نمبر ڈائل کیے... سلسلہ ملتے ہی دوسری طرف
سے کسی نے فوراً کہا:
"یہ میں حکیم جان ہوں... فرمائیے آپ کو کس سے
ملنا ہے۔"
"بس جناب... آپ سے ہی... آپ کو مبارک باد
دینا تھی۔"
"مبارک باد اور مجھے... کیا کہہ رہے ہیں بھئی... مدت

ہوئی... مجھے تو کسی نے مبارک باد نہیں دی۔"

"چلیے اب وصول کر لیں۔"

"لیکن کس بات کی۔"

"آپ بہت جلد سر کبیر خان کی دولت کے مالک بننے والے ہیں۔"

"لاحول ولا قوۃ... یہ آپ نے خوشی کی خبر سنائی ہے۔"

"کیوں! کیا یہ خبر آپ کے لیے خوشی کی نہیں ہے۔"

"نہیں... مجھے دولت سے کوئی دلچسپی نہیں... بلکہ مجھے تو سر کبیر خان سے بھی کوئی دلچسپی نہیں... اسی لیے تو میں آج کی دعوت میں شریک نہیں ہوا۔"

"وہ تو آپ اس لیے شریک نہیں ہوئے کہ آپ کو دعوت نہیں دی گئی۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... دعوت نامہ تو اس وقت بھی میری میز پر پڑا ہے۔"

"اوہو اچھا... کمال ہے۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔"

"سر کبیر خان کا کہنا ہے... کہ انھوں نے آپ کو

دعوت نہیں دی... جب کہ آپ کا کہنا ہے کہ آپ کے پاس دعوت کارڈ موجود ہے... یہ کیا چکر ہے بھئی۔" وہ پریشان ہو کر بولے۔

"میں کچھ نہیں جانتا... صرف اتنا جانتا ہوں کہ مجھے دعوت کا کارڈ ملا تھا۔"

"اور کارڈ کس طرح ملا تھا۔"

"ڈاک کے ذریعے... خان صاحب ہمیشہ ڈاک کے ذریعے کارڈ بھجواتے ہیں۔"

"آپ گھر ہی ہیں نا۔"

"ہاں جناب... میرا گھر سے کہیں جانے کا کوئی پروگرام نہیں۔"

"شکریہ... ہمیں آپ سے ملاقات کرنا ہے۔"

"ضرور تشریف لائیے... خوشی ہو گی... اگر آپ کے کسی کام آ سکا۔"

ریسیور رکھ کر وہ پھر سر کبیر خان کے پاس پہنچے...

"آپ کو پھر زحمت دے رہے ہیں، مسٹر حکیم جان کا کہنا ہے کہ آپ نے [illegible] کارڈ ارسال کیا تھا... جب کہ آپ کا کہنا ہے کہ نہیں [illegible] تھا۔ بھلا پھر ان کے پاس کارڈ کس طرح پہنچا۔"

"کیا مطلب ... ان کے پاس کارڈ موجود ہے ... گل خان۔" وہ قدرے بلند آواز میں چلائے ... لیکن گل خان انھیں کہیں بھی نظر نہیں آیا۔

"یہ گل خان کہاں چلا گیا۔" سر کبیر خان پریشان ہو کر بولے۔

"ہم دیکھتے ہیں ... آپ مہمانوں کے ساتھ مصروف رہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

انھوں نے پہلے تو مہمانوں کے درمیان گل خان کو دیکھا، دوسرے ملازمین سے بھی پوچھا ... لیکن کسی کو بھی اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا ... آخر وہ حویلی کے اندرونی حصے میں داخل ہوئے اور پھر دھک سے رہ گئے ... ان کی آنکھیں پھیل گئیں اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے ...

چادر کے نیچے

گل خان سیف والے کمرے میں مردہ پڑا تھا ... اس کے جسم پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا ... البتہ جلد کی نیلی رنگت زہر کی طرف اشارہ کر رہی تھی ... سیف کھلی پڑی تھی ... اس میں کرنسی نوٹ اور سونے کے زیورات وغیرہ جوں کے توں پڑے تھے ... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے گل خان نے تجوری کھولی ... تاکہ اس میں سے کچھ چرا سکے ... لیکن ایسے میں کسی نے اس کے جسم میں زہر داخل کر دیا ... سوال یہ تھا کہ کیوں ... کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی، دوسری بات یہ کہ وہ تو اس خیال میں تھے کہ قتل شاید سر کبیر خان کا ہونے والا ہے ... حالات بھی یہی کہہ رہے تھے ... یہ تو کسی وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس حویلی میں حویلی کے پرانے نمک خوار ملازم گل خان کا قتل ہو جائے گا ...

"یہ عجیب ترین واردات ہوئی ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے اور لاش کے پاس بیٹھ گئے... انھوں نے اس کی نبض چیک کی... دل کی حرکت دیکھی... کہیں زندگی کے آثار نظر نہ آئے... ایسے میں انھیں قدموں کی آواز سنائی دی... حویلی کا ایک ملازم جونہی کمرے میں داخل ہوا... اس کے منہ سے چیخ نکل گئی...

"کیا ہوا گل خان کو۔"

"یہ بے چارہ مر چکا ہے۔"

"کیا... ارے باپ رے..." یہ کہہ کر وہ باہر جانے لگا۔

"ایک منٹ... تم اس طرف کیا کرنے آئے تھے۔"

"میں گل خان کو ہی دیکھنے آیا تھا... اس کی باہر لان میں ضرورت تھی... ایک دو چیزیں نہیں مل رہی تھیں..."

"ٹھیک ہے... تم جا سکتے ہو... کیا تم جانتے ہو کہ گل خان کی موت کس طرح واقع ہوئی ہے۔"

"جی! بھلا میں کیا جانوں۔"

"انھیں زہر کے ذریعے ہلاک کیا گیا ہے۔"

"کیا... نہیں۔" وہ چلا اٹھا۔

"ہاں! یہ قتل کی واردات ہے... جس واردات کا ڈر

تھا... وہ ہو چکی ہے۔"

اس نے باہر کی طرف دوڑ لگا دی... اور پھر بہت سے قدموں کی آواز سنائی... سب لوگ ادھر آ رہے تھے... انسپکٹر جمشید کمرے سے نکل آئے... ان سب کو رکنے کا اشارہ کیا اور بولے:

"گھر کے پرانے ملازم گل خان کو قتل کر دیا گیا ہے، پہلے ہم تفتیش کریں گے... پھر آپ لوگ لاش کو دیکھ سکیں گے۔"

اکرام کو فون کیا گیا... وہ جلد ہی پہنچ گیا... لاش کی تصاویر لی گئیں... تجوری کی تصاویر لی گئیں... تجوری پر سے انگلیوں کے نشانات اٹھائے گئے... لاش کا پہلو بدلا گیا... اب انھوں نے دیکھا... گل خان نے اپنے دائیں ہاتھ کی مٹھی میں کوئی چیز جکڑی ہوئی تھی... اس کا سرا انھیں نظر آ رہا تھا... مٹھی کھولنا بہت مشکل کام ثابت ہوا... لاش اکڑنے لگ گئی تھی... انھوں نے دیکھا مٹھی میں ایک کاغذ دبا ہوا تھا... کاغذ کو سیدھا کرکے اس کی سلوٹیں نکالی گئیں... انھوں نے دیکھا... اس پر چند حروف لکھے تھے..." تجوری کھول کر تمام دولت نکال لو اور کھڑکی کے راستے نیچے پھینک دو... سب لوگ

لان میں مصروف ہیں... اور واردات کے خوف میں اس
طرف کوئی نہیں آئے گا... لہٰذا یہ کام ذرا بھی مشکل
ثابت نہیں ہو گا..."

انھوں نے جب تحریر پر غور کیا تو الفاظ بالکل اس خط
جیسے نظر آئے... جو انھیں ملا تھا... اور جو ان کے خیال
میں خود گل خان کی تحریر تھی...

"کیس لمحہ بہ لمحہ اُلجھتا جا رہا ہے۔" انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"ہماری قسمت میں یہی لکھا ہے۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"اکرام... ان دونوں تحریروں کی رپورٹ ابھی تک موصول
نہیں ہوئی۔"

"ہو چکی ہے سر... بتانے کا خیال نہیں رہا... دونوں
تحریریں ایک ہی ہاتھ کی ہیں۔"

"کیا!!!" وہ حیران رہ گئے۔

"جی ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔"

"گویا وہ خط ہمیں گل خان نے لکھا تھا۔"

"ہاں سر... اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"حیرت ہے... آخر اس نے ایسا کیوں کیا... کیا
اسے معلوم تھا کہ اسے قتل کیا جانے والا ہے... اس طرح
تو اسے ہمیں ہر بات بتا دینی چاہیے تھی... تاکہ ہم اس

کی حفاظت کر سکتے۔" محمود نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ کیس ہمیں گھن چکر بنا کر چھوڑے گا۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے... ہمارا تو فی الحال گھن چکر بننے
کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"سر... تجوری پر انگلیوں کے نشانات موجود ہیں... خاص
طور پر تالے کے سوراخ کے آس پاس۔"

"ٹھیک ہے... ہمیں انھی نشانات کی ضرورت ہے۔"

وہ نشانات بھی اٹھا لیے گئے... اس کے بعد حویلی
میں موجود لوگوں کو اندر آنے کی اجازت دے دی گئی،
سب سے پہلے سر کبیر خان اندر آئے اور حسرت زدہ انداز
میں بولے:

"افسوس! وہ ہو گیا، جس کا خطرہ ظاہر کیا جا رہا تھا،
لیکن ہم یہ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وار اس غریب
پر ہو گا... زیادہ سے زیادہ میں نے یہ خیال کیا تھا
کہ یا تو قاتل کا وار مجھ پر ہو گا یا میرے کسی مہمان پر۔"

"اس میں عجیب ترین بات یہ ہے کہ وہ خط واقعی ہمیں
گل خان نے لکھا تھا۔"

"حیرت ہے۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"اور دوسرے یہ کہ ابھی تک رضوان قدیر کا کوئی سراغ

نہیں مل سکا۔"

"جونہی رضوان قدیر کو اغوا کرنے والا ہمارے سامنے آئے گا... کیس حل ہو جائے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"اس کیس کا تو فی الحال نہ کوئی سر ہے نہ پیر۔" فرزانہ بڑبڑائی۔

"اللہ کرے گا... ہاتھ پیر بھی آخر نظر آنے لگ جائیں گے۔" فاروق بولا۔

"کسی وقت تو چپ رہا کرو... یہاں ایک عدد قتل کی واردات ہوئی ہے۔" محمود نے سرگوشی کی۔

"اوہ! ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا۔" وہ چونکا۔

"کیا بھول گئے تم۔" پروفیسر داؤد نے چونک کر پوچھا۔

"جی بس! اب کیا بتاؤں۔" اس نے شرما کر کہا۔

انسپکٹر جمشید انھیں الگ کمرے میں لے آئے:

"ہم یہاں بیٹھ کر کیس پر بات کریں گے... تحریر کے ماہر کی رپورٹ کے مطابق وہ خط ہمیں گل خان نے لکھا تھا... اس کا مطلب ہے... اس بے چارے کو خود بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ قتل اسے کیا جانے والا ہے... اگر معلوم ہوتا تو وہ اس قدر مطمئن نہ ہوتا، وہ بالکل خوش

تھا... بے چین یا پریشان نہیں تھا... دوسری بات یہ ہو سکتی ہے کہ یہ خط اس سے کسی نے لکھوایا تھا... اور وہ اس سازش میں شریک تھا... لیکن خود اسے یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ قتل کس کا ہو گا... تم لوگ کیا کہتے ہو۔"

"ہم تو وہی کہیں گے جو آپ کہتے ہیں۔" فاروق بولا۔

"نہیں... تمھارا اپنا بھی کوئی خیال ہونا چاہیے۔"

"تب پھر ہمیں بیس سال پہلے والی واردات کی طرف توجہ دینا ہو گی... سر کبیر خان کے والد کو قتل کیا گیا تھا... انکل نے ہمیں یہی بتایا ہے... جب کہ سر کبیر خان کا کہنا ہے کہ وہ قدرتی موت مرے تھے، لیکن پروفیسر انکل نے ہمیں بتایا ہے کہ ان کے کچھ لوگ دشمن تھے... انھوں نے انھیں قتل کیا تھا... سر کبیر خان نے اپنے اثر و رسوخ سے اس قتل کو قدرتی موت ظاہر کیا تھا... اور آج تک وہ یہی ظاہر کرتے چلے آ رہے ہیں... گل خان اس وقت بھی اس گھر میں تھا... ہو سکتا ہے... وہ قاتلوں کے بارے میں کچھ جانتا ہو... اس لیے آج انھوں نے اسے قتل کر دیا ہو۔" فرزانہ کہتی چلی گئی۔

"یہ بات حلق میں سے نہیں اتری۔" فاروق مسکرایا۔

"میری بات اور تمھارے حلق سے اتر جائے... ہو ہی

نہیں سکتا۔"

"بھئی پہلے اس کی بات سن تو لو۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"سناؤ بھئی اپنی بات۔"

"اتنا عرصہ گزر گیا... قاتلوں کو گل خان سے کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا... اب اچانک انھیں خطرہ محسوس ہونے لگا اور انھوں نے اسے ختم کر دیا۔"

"واقعی... فاروق کی بات میں وزن ہے۔"

"یہی تو مصیبت ہے... یہاں ہر ایک کی بات میں تو وزن نکل آتا ہے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"تو تم بھی اپنی بات میں وزن پیدا کر لو... روکا کس نے ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"یوں بات نہیں بنے گی... سر کبیر خان کو یہاں بلانا پڑے گا۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

انھیں بلایا گیا... کافی پریشان لگ رہے تھے...

"یہ ایک عجیب ترین کیس ہے جناب... سنیے ہمیں ایک خط ملا ہے... خط میں یہ خطرہ ظاہر کیا گیا تھا کہ اس حویلی میں کسی کو قتل کر دیے جانے کا پروگرام بنایا جا چکا ہے... اور قتل عین دعوت کے دوران ہو گا... وہ خط خود گل خان نے لکھا تھا۔"

"یہ بات آپ اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہیں؟" وہ بولے۔

"اس لیے کہ ماہرین کا دن رات کا کام ہی یہی ہے۔ ان کی رپورٹ ہے کہ گل خان کی تحریر میں اور اس خط کی تحریر میں بال برابر بھی فرق نہیں ہے... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گل خان نے وہ خط کیوں لکھا... اسے کیا ضرورت تھی ایسا کرنے کی... کیا اس نے واقعی کسی کو باتیں کرتے سنا تھا... اگر سنا تھا، تو پھر باتیں کرنے والے بھی حویلی میں موجود تھے... کیوں کہ دعوت کی بات ہو رہی تھی لیکن اس حویلی میں آپ کے اور ملازمین کے سوا کوئی نہیں رہتا... کیا آپ کوئی وضاحت کر سکتے ہیں؟"

"جی نہیں... میں نہیں جانتا... یہ سب کیا چکر ہے... گل خان نے وہ خط کیوں لکھا... اس نے کیا واقعی کسی کو باتیں کرتے سنا تھا... یا پھر اسے کسی نے وہ خط لکھنے پر مجبور کیا تھا... میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"اچھا خیر... آپ اس کو چھوڑیں... اور صرف یہ بتائیں... آپ کے والد کو قتل کیا گیا تھا۔"

"نہیں... وہ تو قدرتی موت مرے تھے۔"

"پروفیسر داؤد صاحب کا اس وقت آپ کے پاس آنا

جانا تھا... ان کا کہنا ہے کہ انھیں قتل کیا گیا تھا۔"

"یہ بات اڑائی گئی تھی... لیکن پھر ڈاکٹر نے تصدیق کی تھی کہ ان کی موت قدرتی طور پر ہوئی ہے... قتل وتل نہیں کیا گیا۔"

"اوہ اچھا... خیر... اب رہ گئے رضوان قدیر صاحب... وہ اب تک غائب ہیں... نہ جانے کیوں... کہیں یہ سارا چکر وہی تو نہیں چلا رہے... کہیں وہ آپ کو گل خان کے قتل کے جرم میں پھنسوانا تو نہیں چاہتے، تاکہ ساری دولت بیٹھے بٹھائے ان کے ہاتھ لگ جائے۔"

"اوہ! نہیں... رضوان قدیر ایسا نہیں... وہ تو بہت اچھا بچہ ہے۔"

"اور رضوان قدیر کے بعد آپ کی دولت کا بڑا حصہ حکیم جان صاحب کے ہاتھ آئے گا... ان کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟"

"اوّل نمبر کا جھوٹا اور بے ایمان... اوپر سے کہتا ہے کہ اسے دولت کا کوئی لالچ نہیں... اور دولت کے لیے ہر وقت رال ٹپکتی رہتی ہے... وہ یہ کام کر سکتا ہے... ہو سکتا ہے... یہ ساری سازش اس نے ترتیب دی ہو۔"

"خیر ہم انھیں بھی چیک کریں گے... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انھیں کارڈ کس نے بھیجا تھا... یہ انتظام کس کے سپرد تھا؟"

"یہ سارا کام گل خان نے کیا تھا... میں نے تو بس نام لکھوا دیے تھے۔"

"افسوس! اب ہم گل خان سے اس بات کی تصدیق نہیں کر سکتے۔" فاروق بولا۔

سر کبیر خان نے چونک کر ان کی طرف دیکھا... پھر منہ بنا کر بولے:

"آخر اس بارے میں میں جھوٹ کیوں بولوں گا... اگر میں یہ کہہ دوں کہ اسے کارڈ میں نے بھیجا تھا... تو اس سے بھلا کیا فرق پڑ جائے گا۔"

"یہ قتل کا کیس ہے جناب... فرق پڑتے دیر بھی کیا لگتی ہے۔"

"بہرحال... میں نے گل خان کو اس کا نام نوٹ نہیں کرایا تھا... یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں... گل خان نے اس کے باوجود کارڈ کیوں بھیجا... اس کی وجہ میں نہیں جانتا۔"

"خیر کوئی بات نہیں... اس کی وجہ بھی ہم معلوم کر

لیں گے۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"کیوں... آپ کو اس کی وجہ معلوم کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"قتل کے کیس کی تفتیش کس طرح کرنی ہے... یہ ہمارا کام ہے... آپ کا نہیں۔"

"ٹھیک ہے... آپ جائیں۔" انھوں نے کندھے اچکائے۔

"افسوس! آپ سے ہمیں کوئی مدد نہیں مل سکی... اب ہم اجازت چاہیں گے... آپ کے مہمان اگر جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں... صرف وہ میرے اسسٹنٹ کو اپنے نام، فون نمبر اور پتے لکھواتے جائیں... تاکہ ہمیں ان سے کچھ پوچھنا پڑے تو دشواری نہ ہو۔"

"بہت بہتر! میں ان سے کہہ دیتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔

"میں ایک دو جگہ جانا چاہتا ہوں... تم لوگوں کا پروگرام اگر جانے کا ہو تو میں گھر چھوڑ آتا ہوں... یا پھر تم اپنے انکل کے ساتھ چلے جاؤ... میرا خیال ہے کہ یہ بھی اب یہاں رکنا پسند نہیں کریں گے۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے... لیکن بھئی... میں تو تمھارے

ساتھ جانے کے چکر میں تھا... اور تم بھی انھیں ساتھ نہیں لے جا رہے۔"

"میں نے انھیں ساتھ لے جانے سے انکار نہیں کیا... زیادہ رات گزر جانے کے پیشِ نظر یہ بات کہی ہے۔"

"ہم بھی آپ کے ساتھ چلیں گے ابا جان۔"

"اور میں بھی۔"

"اچھا تو آئیں، چلیں۔"

انسپکٹر جمشید پہلے انھیں متعلقہ پولیس اسٹیشن لائے... وہاں انھوں نے بیس سال پرانا ریکارڈ نکلوایا... سرکبیر خان کے والد کی موت کا سرٹیفکیٹ دینے والے ڈاکٹر کا نام اور پتا نوٹ کیا اور پھر سیدھے وہاں پہنچے... اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا... شہر سائیں سائیں کر رہا تھا... وہ ایک محل نما کوٹھی تھی... شان و شوکت دیکھ کر وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے... انسپکٹر جمشید کے اشارے پر محمود نے آگے بڑھ کر گھنٹی بجائی... دروازے کی گھنٹی قریباً ایک منٹ تک بجائی گئی... پھر کسی نے اندر سے چیخ کر کہا:

"آ رہا ہوں... کیا مصیبت آ گئی ہے؟"

آخر ایک منٹ بعد دروازہ کھلا اور ایک بوڑھے آدمی کی شکل نظر آئی ... اس کے چہرے پر حد درجے ناگواری تھی ... اس نے اپنے جسم پر رات کا لباس لپیٹ رکھا تھا۔

"کیا آپ لوگ صبح نہیں آ سکتے تھے؟"

"ہاں! آ سکتے تھے ... لیکن ... مجبور تھے ... اس لیے اسی وقت آ گئے۔"

"فرمائیے ... کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"دروازے پر کھڑے رکھ کر تو شاید آپ ہماری کوئی خدمت نہیں کر سکتے۔"

"خیر ... اندر آ جائیں ... میں ڈرائنگ روم کھولتا ہوں۔"

وہ اندر چلا گیا ... پھر ساتھ والے کمرے کا بیرونی دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوئے ...

"پہلے تو تعارف ہو جائے ..." یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے تعارف کرایا۔

ڈاکٹر رازی ان کے نام سُن کر چونکے اور بولے:

"آپ لوگوں کے نام تو میں نے اکثر سنے ہیں، اور پروفیسر صاحب کا نام بھی نیا نہیں۔"

"ہم آپ سے ایک بہت پرانی بات پوچھنے آئے ہیں۔ اُمید ہے آپ ہمیں درست بات ضرور بتا دیں گے۔"

"پوچھیے ... میں جھوٹ نہیں بولوں گا۔" وہ بولے۔

"قریباً بیس سال پہلے سرکبیر خان کے والد کا انتقال ہوا تھا ... اس وقت یہ خبر سنی گئی تھی کہ انھیں قتل کیا گیا ہے ... لیکن آپ نے ان کی قدرتی موت کا سرٹیفکیٹ دیا تھا ... ہم صرف یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آیا وہ موت واقعی قدرتی تھی؟"

ڈاکٹر رازی کا چہرہ یک دم تاریک ہو گیا ... اس کا سر جھک گیا ... پھر اس کی درد بھری آواز کمرے میں گونجی:

"میں نے سرکبیر خان کے کہنے پر غلط رپورٹ لکھی تھی ... ایک بڑی بھاری رقم کے بدلے میں میں نے اپنے پیشے سے غداری کی تھی ... ایک جرم کیا تھا ... اور قدرت نے مجھے اس کی سزا دے دی ... ایک بھیانک سزا۔" وہ ایک جھٹکے سے خاموش ہو گئے۔

"جی ... کیا مطلب؟"

انھوں نے اپنے ہاتھوں کے اوپر لی ہوئی چادر اتار دی ... وہ زور سے اچھلے ...

وہ مل گیا ہے

انھوں نے دیکھا... ڈاکٹر رازی کے دونوں ہاتھوں پر کوڑھ نکلا ہوا تھا... پورے ہاتھ اور انگلیاں کوڑھ کے زخموں سے پُر نظر آ رہے تھے... وہ لرز کے رہ گئے... ڈاکٹر رازی کہہ رہے تھے:

"یہ انعام ملا مجھے اپنی بے ایمانی کا... سر کبیر خان کے والد کو زہر دیا گیا تھا... یہ زہر کس نے دیا... میں نہیں جانتا... میرے پاس تو سر کبیر خان آئے تھے... انھوں نے درخواست کی تھی کہ میں قدرتی موت کا سرٹیفکیٹ لکھ دوں... کیونکہ لوگ انھیں شک کی نظروں سے دیکھ رہے ہیں... انھوں نے ایک لاکھ روپے میرے سامنے رکھ دیے تھے... بس میں لالچ میں آ گیا... میں نے یہ بھی نہ سوچا کہ ایسا کرنے سے پولیس سرے سے تفتیش نہیں کرے گی اور قاتل صاف بچ جائے گا۔"

"تو کیا آپ کے خیال میں سر کبیر خان نے خود اپنے والد کو زہر دیا تھا۔" فاروق بے تابانہ بولا۔

"میں نہیں جانتا... یہ جرم کس نے کیا تھا... میں نے تو اپنے جرم پر روشنی ڈال دی ہے... اور اگر آپ مجھے گرفتار کرنا چاہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔"

"آپ کو تو سزا مل ہی رہی ہے... اور کیا سزا دلوائیں، ہاں ان ایک لاکھ روپے سے آپ نے کیا کیا تھا۔"

"وہ ایک لاکھ ہاتھوں کے علاج پر ختم کر دیا... میں خود ڈاکٹر ہوں... لیکن اپنا علاج نہ کر سکا... پھر میں نے کوڑھ کے ماہر ترین ڈاکٹروں سے علاج کروایا.... لیکن کوئی اس مرض کو مجھ سے دور نہ کر سکا... کر بھی کس طرح سکتے ہیں... لوگ... جب کہ قدرت مجھے سزا دینا چاہتی ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں... وجہ یہی ہے... اور اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے رب تعالیٰ سے معافی مانگیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"وہ میں دن رات مانگ رہا ہوں۔"

"اللہ آپ پر رحم فرمائے... ہم نے بے وقت آپ کو زحمت دی... امید ہے، معاف فرمائیں گے۔"

"کوئی بات نہیں۔"

وہ باہر نکل آئے اور سیدھے حکیم جان کے ہاں پہنچے، حکیم جان بھی گہری نیند سو رہے تھے... جگایا جانا انھیں بھی بہت ناگوار گزرا... لیکن پھر ان کے نام سن کر اس کی ساری ناگواری فوراً دور ہو گئی... انھیں ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد وہ بولے:

"فرمایئے... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"سرکبیر خان کا کہنا ہے کہ انھوں نے آپ کو کارڈ نہیں بھیجا... آپ کہتے ہیں کہ کارڈ آپ کے پاس ہے... مہربانی فرما کر وہ کارڈ ہمیں دکھا دیں۔"

"ضرور... کیوں نہیں..." یہ کہہ کر وہ اٹھا اور کمرے سے نکل گیا... جلد ہی اس کی واپسی ہوئی... اس کے ہاتھ میں ایک کارڈ بھی تھا...

انھوں نے کارڈ لیا... غور سے دیکھا... اس پر تحریر گل خان کے ہاتھ کی تھی... باقی کارڈ بھی گل خان نے ہی لکھے تھے... لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ حکیم جان کو کارڈ اس نے اپنی مرضی سے بھیجا تھا یا سرکبیر خان کے کہنے پر...

"رضوان قدیر کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟"

"بہت شریف بچہ ہے... اس کے گم ہونے پر مجھے بھی بہت پریشانی ہے۔"

"اچھا... سرکبیر خان کے والد کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں... آپ تو اس وقت بھی موقع پر موجود رہے ہوں گے؟"

"انھیں قتل کیا گیا تھا... سرکبیر خان نے اپنا اثر استعمال کر کے قدرتی موت ظاہر کی تھی اور اس میں کامیاب بھی ہو گیا تھا۔"

"آپ کے خیال میں وہ قتل کس نے کیا تھا؟"

"افسوس! میں نہیں جانتا۔"

"آپ کو یہ تو معلوم ہے نا... کہ انھیں قتل کیا گیا تھا۔"

"بالکل معلوم ہے۔"

"تو پھر... اس قتل کا فائدہ کس کو پہنچا تھا۔"

"صاف ظاہر ہے... سرکبیر خان کو پہنچا تھا... وہ ساری جائیداد اور جاگیر کا مالک بن گیا تھا... کیوں کہ اس کی بہن نے جائیداد میں سے کوئی حصہ لینا منظور نہیں کیا تھا۔"

"آپ کا مطلب ہے... رضوان قدیر کی والدہ نے؟"

"ہاں! وہ بہت اچھی عورت تھیں... اگر چاہتیں تو اپنے بھائی کی دولت میں سے حصّہ لے سکتی تھیں۔"

"ہوں! یہ تمام حالات اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ سر کبیر خان نے خود اپنے والد کو زہر دیا تھا... اب اگر وہ گرفتار ہو جاتے ہیں... ان پر مقدمہ چلتا ہے اور انھیں سزا ہو جاتی ہے تو یہ ساری جاگیر آپ کو مل جائے گی... کیوں کہ درمیان سے رضوان قدیر بھی غائب ہے۔" انسپکٹر جمشید نے یہ کہتے وقت اسے بغور دیکھا:

"میں سمجھ رہا ہوں جناب... کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں... لیکن... میں نے کوئی جرم نہیں کیا... نہ مجھے دولت کا شوق ہے۔"

انھیں یاد آیا... سر کبیر خان نے اس کے بارے میں بتایا تھا کہ اصل میں وہ بہت لالچی ہے... لیکن ظاہر یہ کرتا ہے کہ اسے کوئی لالچ نہیں... انھوں نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر بولے:

"اچھا جناب... اب ہم چلتے ہیں۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

وہ انھیں چھوڑنے دروازے تک آیا... پھر واپس چلا گیا... گاڑی میں بیٹھتے ہوئے انسپکٹر جمشید نے

سرگوشی کی:

"میں دانہ ڈال آیا ہوں۔"

"جی... کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"میری جیب میں سونے کی ایک زنجیر تھی... میں وہ وہاں ڈال آیا ہوں... اگر یہ شخص لالچی ہے تو زنجیر کے بارے میں خود کچھ نہیں بتائے گا... اور اگر لالچی نہ ہوا تو فوراً ہمیں فون کرے گا۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ویسے ابّا جان! اب تک آپ نے کیا اندازہ لگایا ہے۔"

"سچ تو یہ ہے کہ میں ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا... حالات عجیب و غریب ہیں... بہت پیچیدہ ہیں۔"

"میرے خیال میں تو یہ سارا چکر سر کبیر خان کا چلایا ہوا ہے۔"

"اس کا امکان تو خیر ہے... ڈاکٹر رازی کا بیان اس طرف جاتا ہے... ارے ہاں... اس سلسلے میں تو ہم نے سر کبیر خان سے بات کی ہی نہیں... آؤ لگے ہاتھوں یہ کام بھی کر لیں۔"

"اور وہ... فون... حکیم جان کا۔"

"فون آیا تو تمھاری امی بتا ہی دیں گی..."

وہ ایک بار پھر سر کبیر خان کے ہاں پہنچے... یہاں ابھی تک کوئی نہیں ہو سکا تھا... اکرام اپنا کام ختم کر کے جا چکا تھا... لاش کو بھی پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دیا گیا تھا...

"ایک بات آپ سے پوچھنی ہے... بہت اُلجھن آ پڑی ہے۔"

"فرمائیے۔" وہ بولے۔

"آپ کا بیان ہے کہ آپ کے والد قدرتی موت مرے تھے... پروفیسر داؤد صاحب کا بیان ہے کہ ان دنوں یہ خبر اڑی تھی کہ انھیں زہر دے کر ہلاک کیا گیا تھا... ہم ابھی ابھی ڈاکٹر رازی سے مل کر آ رہے ہیں۔"

"کس سے۔" سر کبیر خان چونکے۔

"ڈاکٹر رازی سے... کیا آپ انھیں نہیں جانتے۔"

"جانتا کیوں نہیں جناب... وہ تو ہمارے فیملی ڈاکٹر تھے... یعنی والد صاحب کے زمانے میں سارے گھر کا علاج انھی سے کرایا جاتا تھا۔"

"وہ سرٹیفکیٹ انھوں نے اپنی مرضی سے دیا تھا یا آپ کے دباؤ پہ۔" انسپکٹر جمشید نے پوچھا۔

"دباؤ... کیسا دباؤ... بھلا میں کیوں ڈالتا ان پر دباؤ... مجھے ایسا کرنے کی ضرورت کیا تھی۔"

"ضرورت اس لیے تھی... کہ آپ کے والد کی موت زہر سے ہوئی تھی... اور الزام آپ پر آ رہا تھا... آپ لوگوں کی نظروں میں گر جاتے... لہٰذا آپ نے ڈاکٹر رازی سے درخواست کی... وہ قدرتی موت کا سرٹیفکیٹ لکھ دیں... آپ نے اس کام کے لیے انھیں ایک لاکھ روپے بھی دیے۔"

"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں جناب... میں نے ڈاکٹر رازی کو ایک لاکھ روپے دیے تھے۔" سر کبیر خان دھک سے رہ گئے۔

"ہاں جناب! ان کا بیان بھی ہے... ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ آپ کے والد کی موت حقیقت میں زہر سے ہوئی تھی۔"

"ن... نہیں... یہ غلط ہے... یہ جھوٹ ہے۔"

"مشکل تو یہی ہے... نہ ہم آپ کے بیان کی تصدیق کر سکتے ہیں... نہ ڈاکٹر رازی کے بیان کی۔" محمود نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"ایسا معلوم ہوتا ہے... کوئی مجھے قتل کے کیس میں الجھانا چاہتا ہے... اس صورت میں وہ ضرور کوئی بہت

بڑا فائدہ حاصل کرنے کا منصوبہ بنا چکا ہے... آپ لوگ
مجھے مجرم گردان کر حوالات کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیں
گے اور وہ شخص خوب عیش کرے گا... کیا آپ بھی یہی
چاہتے ہیں۔"

"ایسے دو آدمی ہیں ... جو خوب عیش کرنے کی پوزیشن
میں ہیں ... رضوان قدیر اور حکیم جان ... رضوان قدیر تو ویسے
ہی غائب ہیں ... یہ تو جب تک مل نہیں جاتے ... کوئی
عیش وعیش نہیں کر سکتے، کیوں کہ ... سامنے آئیں گے
تو جائیداد حاصل کریں گے ... اب رہ گئے حکیم جان ...
ابھی تک ان کے خلاف ہم کوئی بات حاصل نہیں کر
سکے۔"

"ہاں ثبوت تو آپ میرے خلاف حاصل کر رہے ہیں۔"
انھوں نے جل کر کہا۔

"ایسی کوئی بات نہیں محترم سر کبیر خان ... ہم زبردستی
ثبوت حاصل کرنے کے چکر میں نہیں رہتے ... حالات، واقعات
اور تفصیلات کو جمع کر کے ایک لڑی میں پرو دیتے ہیں، یعنی
ان کی ترتیب لگا دیتے ہیں، اس طرح کہانی مکمل ہو جاتی
ہے ... اور ہم اپنے مجرم کو پکڑ لیتے ہیں۔"

"خیر... آپ جو چاہیں، سو کریں ... میں کون ہوتا ہوں

آپ کو روکنے والا۔" انھوں نے بڑا مان کر کہا۔

"ایک بات میں یقین سے ضرور اس وقت کہہ سکتا ہوں۔"
انھوں نے جیسے ان کی بات سنی ہی نہیں۔

"اور وہ بات کیا ہے ابا جان۔"

"یہ کہ سر کبیر خان کے والد کو زہر دیا گیا تھا... وہ
قدرتی موت نہیں مرے تھے۔"

"ن ... نہیں۔" وہ چلائے۔

"اور آپ نے ڈاکٹر رازی کو ایک لاکھ روپے بھی
واقعی دیے تھے۔"

"اب میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ... ہم اس معاملے کے پیچھے لگ
گئے ہیں ... اب تہ تک پہنچ کر ہی دم لیں گے ... آؤ
بھئی چلیں۔"

وہ باہر نکل آئے ... ایسے میں محمود نے پوچھا:

"اب آپ کا کیا خیال ہے۔"

"یہ حضرت اس حد تک تو مجرم ضرور ہیں کہ انھوں نے
ڈاکٹر رازی سے غلط سرٹیفیکیٹ لکھوایا ... اور قتل کی واردات
کو قدرتی موت لکھوایا ... اگر یہ ایسا نہ کرتے تو شاید
اس وقت یا کچھ دنوں بعد قاتل ضرور پکڑا جاتا ... لیکن

انھوں نے یہ بات نہیں سوچی... اب بہرحال اس کیس کے مجرم کو بھی ہم پکڑیں گے اور گل خان کے مجرم کو بھی۔"

"بے چارہ گل خان..." فاروق نے سرد آہ بھری۔

"آخر ہم اب تک رضوان قدیر کو کیوں تلاش نہیں کر سکے؟"

"اتنا بڑا شہر ہے... سراغ لگتے لگتے ہی لگے گا۔"

"ابا جان... میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے... کیوں نہ اس زمانے کے اخبارات نکال کر خبریں پڑھی جائیں... آخر کسی نے تو سرکبیر خان کے والد کو زہر دیا ہی تھا، اور وہ سزا سے بچ گیا تھا... کسی اخباری رپورٹر نے شاید رپورٹنگ کا حق ادا کیا ہو... ہر زمانے میں حق پرست لوگ آخر موجود ہوتے ہیں۔"

"ہوں! ٹھیک ہے... یہ کوشش کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔"

وہ اپنی لائبریری میں آئے... پرانے اخبارات تلاش کیے اس کام میں انھیں ایک گھنٹہ لگ گیا... بیگم جمشید بھی ان کے ساتھ جاگ رہی تھیں... انھوں نے بھی ہاتھ بٹایا اور پھر وہ خبریں پڑھنے لگے... سرکبیر خان کے والد کا نام سر نذیر خان تھا... ان کی موت کے بارے میں بلے جلے سے

بیانات شائع ہوئے تھے... کسی بیان میں خیال ظاہر کیا گیا تھا کہ موت زہر سے ہوئی ہے اور انھیں قتل کیا گیا ہے، کسی بیان میں تھا کہ موت قدرتی ہوئی ہے... ایک جگہ ڈاکٹر رازی کا نمایاں بیان تھا کہ موت قدرتی ہوئی ہے، اور اس کے بعد اس جھگڑے کو ختم کر دیا گیا تھا... لیکن ایک اخبار میں انھیں ایک رپورٹر کی چھوٹی سی خبر نظر آ گئی... اس نے لکھا تھا کہ اس واردات کے پیچھے کوئی بہت گہری سازش کارفرما ہے... سر نذیر خان کا قتل کوئی عام قتل نہیں ہے... اس قتل کو اگرچہ چھپانے اور اسے قدرتی موت ثابت کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے، لیکن وقت آئے گا... جب اس قتل کا راز ظاہر ہو گا۔

"زیادہ لوگوں نے یہی لکھا ہے کہ یہ قتل ہے، اور ڈاکٹر رازی کا بیان بھی یہی ہے... کہ اس نے رشوت لے کر وہ سرٹیفکیٹ لکھا تھا... رشوت دی تھی سرکبیر خان نے... گویا سرکبیر خان نے ہی اپنے والد کو زہر دیا تھا، اور خود کو قانون کے شکنجے سے بچانے کے لیے ڈاکٹر رازی کو رشوت دے دی۔"

"تب پھر یہ راز کسی طرح گل خان کو معلوم ہو گیا ہو گا اور اگرچہ وہ اس گھر کا بہت پرانا ملازم ہے، پھر بھی

وہ یہ سچ چھپانے کے لیے تیار نہ ہوا... اس نے سر کبیر خاں پر یہ بات واضح کر دی کہ وہ یہ بات پولیس کو ضرور بتا کر رہے گا... چنانچہ سر کبیر خان نے اسے بھی ختم کر دیا، لیکن کس طرح... باقاعدہ سازش تیار کر کے..."

"اور انھوں نے سازش کیا کی؟" فرزانہ نے پوچھا۔

"پہلے رضوان قدیر کو غائب کیا... تاکہ ہم اس پر شک کرتے رہیں... پھر حکیم جان کو خود کارڈ بھجوایا... انھیں اس بات سے انکار کر دیا کہ دعوت نامہ انھوں نے بھجوایا تھا، بلکہ یہ کام بھی انھوں نے گل خان کا ظاہر کیا تاکہ ہمارا شک گل خان پر جائے... مطلب یہ کہ گل خان بھی اس سازش میں شریک تھا...... ساری تجوری صاف کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا... جیسا کہ گل خان کے ہاتھ میں دبے ہوئے کاغذ پر لکھا تھا... لیکن یہاں پہ یہ الجھن آ موجود ہوئی کہ اس کاغذ پر آخر گل خان کی اپنی تحریر کیوں ہے، وہ تو گل خان کو کسی نے ہدایت کی تھی کہ جب یہ لوگ لان میں موجود ہوں گے اور ہونے والی واردات کا خوف ان کے ذہنوں پر سوار ہو گا... اس وقت کسی کو اندر آنے کی جرأت نہیں ہو گی، یہی وہ وقت ہو گا جب کام کیا جا سکتا ہے... اس سیف کو کھولنے کا طریقہ

گل خان نے گھر میں رہتے ہوئے جان لیا ہو گا... گل خان یہ کام کرنے کے لیے اندر آیا... لیکن کسی نے اس کے جسم میں زہریلی سوئی داخل کر دی... اور وہ اس منصوبے پر عمل نہ کر سکا... ایک کہانی یہ بھی ہے... لیکن ہر کہانی میں ہمارے لیے گل خان کی تحریر مشکلات پیدا کر رہی ہے... اور معاملہ کسی طرح بھی ذہن میں صاف نہیں ہو رہا۔"

"ایک بات طے ہے... کوئی نہ کوئی سازش ضرور ہوئی ہے... کیا ہوئی... کس کے خلاف ہوئی... کوئی درست ترین بات ابھی نہیں کہی جا سکتی... جب تک کہ رضوان قدیر نہ مل جائے... لیکن ہم اس کیس پہ الگ الگ زاویوں سے غور ضرور کر سکتے ہیں۔"

"اور میں تو کہتا ہوں... غور کرنے کی بھی ضرورت نہیں جو کچھ بھی ہے... خود بخود سامنے آ جائے گا... آپ نے سنا ہی ہو گا... جرم چھپ نہیں سکتا۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"ٹھیک ہے آبا جان میں لیتا ہوں جائزہ... مطلب یہ کہ میں پیش کرتا ہوں جائزہ..."

عین اسی وقت فون کی گھنٹی بجی... انسپکٹر جمشید نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف اکرام کا ایک ماتحت تھا... اور

پرجوش انداز میں کہہ رہا تھا:

"سر! ہم نے انھیں تلاش کر لیا ہے... فوراً آئیے۔"

"عجیب آدمی ہو... بھئی... کسے تلاش کر لیا ہے، اور ہم کہاں آئیں؟"

"جی... وہ رضوان قدیر صاحب کو تلاش کر لیا ہے... آپ سونا جنگل کے مشرق میں آ جائیں... جس طرف کیکر کے بے تحاشا درخت ہیں... آپ کو ایک پرانی سی عمارت نظر آئے گی... ویسے تو ہم اشارہ دے ہی دیں گے۔"

"بہت خوب... یہ دکھایا ہے تم نے کام... ہم آ رہے ہیں۔"

انھوں نے پرجوش انداز میں کہا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"رضوان قدیر مل گیا ہے بھئی... آؤ چلیں۔"

"اوہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

جنگل کی آگ

سونا جنگل صرف نام کا سونا نہیں تھا... حقیقت میں بھی سونا تھا... اس میں کیکر کے بہت بڑے اور گھنے درخت تھے اور ان کانٹوں دار درختوں کے درمیان بھاگ دوڑ قریب قریب ناممکن تھی، ان سے تو بہت بچ بچا کر نکلنا پڑتا تھا... یہی وجہ تھی کہ اس طرف کوئی رخ نہیں کرتا تھا اور رخ کر کے کوئی کرتا بھی کیا، یہاں تھا ہی کیا... صرف کیکر کے خوف ناک قسم کے درخت... اور ان درختوں کے درمیان گھری وہ عمارت بہت پراسرار لگ رہی تھی... شاید انھیں اس لیے بھی پراسرار لگی ہو گی کہ اس میں رضوان قدیر کو قید کیا گیا تھا... جب وہ جنگل میں داخل ہوئے تو اکرام کے ایک ماتحت نے انھیں ٹارچ سے اشارہ دیا... وہ اس سمت میں بڑھتے چلے گئے... سادہ

لباس والے عمارت کے باہر موجود تھے... اور اس کے ساتھ
رضوان قدیر زرد زرد نظر آ رہا تھا... اس کے چہرے
پر ایک پھیکی مسکراہٹ تھی...
"انھیں کھانے کو بھی کچھ دیا یا نہیں۔"
"ہاں سر! یہ اب بالکل ٹھیک ہیں... اندر رسیور
سے بندھے پڑے تھے اور مکان کے دروازے پر
تالا لگا ہوا تھا... آس پاس ہمیں کوئی بھی نظر نہیں
آیا تھا... لہذا ہم نے تالا توڑا اور اندر داخل ہو گئے...
اندر انھیں دیکھ کر ہم حیرت زدہ رہ گئے... کیوں کہ
ہمیں ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ یہ یہاں ہوں
گے۔"

"ہوں! اندر سے کوئی چیز ملی۔"
"سگریٹ کا ایک ٹکڑا... جوتوں کے نشانات... رسی
کے چند ٹکڑے... ان کے علاوہ ایک اور چیز جو ہماری
سمجھ میں نہیں آئی۔"
"آؤ دیکھتے ہیں۔"
وہ اندر داخل ہوئے... یہ دو کمروں کا ایک بہت
پرانا سا مکان تھا... فرش بھی کچا تھا... اس کچے فرش
پر قدموں کے نشانات صاف تو نہیں تھے... لیکن اس حد

تک ضرور تھے... کہ اٹھا لیے گئے تھے... وہیں ایک سگریٹ
کا ٹکڑا پڑا تھا... رسی کے ٹکڑے پڑے تھے... ان
کے علاوہ وہاں سفید رنگ کی ایک لکڑی نما چیز
موجود تھی...
"کیا اس پر سے بھی انگلیوں کے نشانات اٹھا لیے گئے
ہیں... مطلب یہ کہ میں اس کو چھو سکتا ہوں۔"
"یس سر" ایک ماتحت نے کہا۔
انسپکٹر جمشید نے اس لکڑی نما چیز کو اٹھا لیا... یہ
لکڑی کی طرح ہلکی بھی تھی... درمیان سے کھوکھلی تھی...
انھوں نے اس میں پھونک ماری تو عجیب سی آواز نکلی۔
"اگر اس میں سوراخ ہوتے تو میں اسے بانسری کہتا،
لیکن یہ بانسری نہیں ہے... لکڑی بھی نہیں ہے...
ہلکی سی دھات کی ایک نلکی کہہ سکتے ہیں اسے... لیکن
نہ یہ پیتل کی ہے... نہ ایلومینیم کی... نہ یہ لوہے کی
ہے... اس کا مطلب ہے، کسی اور دھات کی ہے...
اوہو ایک منٹ..." وہ کہتے کہتے چونک اٹھے... پھر رضوان
قدیر کی طرف مڑے:
"پہلے تو آپ بتائیں... آپ پر کیا بیتی۔"
"آپ لوگ مجھ سے مل کر جب رخصت ہوئے تو

اچانک مجھ پر کسی نے پیچھے سے وار کیا... وار میرے سر پر کیا گیا تھا... میں فوراً بے ہوش ہو گیا... میں نہیں جانتا... حملہ آور کس طرح میرے گھر میں داخل ہوا تھا، اتفاق کی بات ہے کہ میں اس روز گھر میں بالکل تنہا تھا، گھر کے افراد ایک شادی میں گئے ہوئے تھے... اس کے بعد میری آنکھ اسی مکان کے اندر کھلی تھی... میں رسیوں سے بندھا ہوا تھا... بس اور میں کچھ بھی نہیں بتا سکتا... اگر یہ لوگ نہ آ جاتے تو شاید بھوکا پیاسا میں مر جاتا... اُف مالک...“ وہ یہاں تک کہہ کر رُک گیا۔

”اس چیز کے بارے میں کچھ بتا سکتے ہیں۔“

”جی نہیں... یہ میں نے اسی طرح فرش پر پڑی دیکھی تھی۔“

”آپ کی کسی سے کوئی دشمنی تو نہیں۔“

”جی مجھ سے... بالکل نہیں۔“ اس نے کہا۔

”اپنے ماموں سر کبیر خان کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں۔“

”جی... کیا مطلب ؟“

”کیا آپ کا اغوا انھوں نے تو نہیں کرایا۔“

”ارے نہیں... وہ تو بہت اچھے ہیں اور پھر وہ

ایسا کیوں کرتے۔“

”تو پھر ایسا کس نے کیا... یہ بتا دیں۔“

”کاش میں کچھ سمجھ سکتا... بتا سکتا...“ اس نے سرد آہ بھری۔

”آپ سر کبیر خان کی دولت کے سب سے بڑے حصے دار ہیں... اگر آپ نہ ہوں... یہ درمیان سے نکل جائیں تو پھر حکیم جان کو دولت ملے گی... کہیں آپ کو اغوا حکیم جان نے نہ کیا ہو... تاکہ گل خان کے قتل کا الزام آپ پر آئے... پولیس یہی رپورٹ لکھے کہ یہ جرم رضوان قدیر نے کیا ہے اور اسی لیے وہ غائب ہو گیا ہے... حکیم جان نے پروگرام بنایا ہو گا، کہ آپ یہاں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں گے اور دولت ان کے حصے میں آ جائے گی۔“

”لیکن کیسے ابّا جان... قتل سر کبیر خان کا نہیں... گل خان کا ہوا ہے۔“

”یہی تو مصیبت ہے... لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ قتل کا پروگرام سر کبیر خان کا ہی تھا... اس کے بدلے میں غلطی سے ہو گیا گل خان کا۔“

”غلطی سے کیسے ہو گیا... اگر یہ کام کرانے کے کسی

قاتل سے لیا گیا ہے تو بھی قاتل کو ان کی تصویر اچھی طرح سے دکھائی ہو گی۔"

"یہی تو مصیبت ہے... یہ کیس اس طرح تو الجھتا چلا جا رہا ہے۔"

"اور سلجھنے کا نام نہیں لیتا... عجیب سر پھرا کیس ہے۔"

"مجھے تو بہت زبردست امید تھی کہ رضوان قدیر صاحب کے ملنے پر یہ معمہ حل ہو جائے گا... لیکن ایسا نہیں ہو رہا... یہ بھی کچھ بتانے کے قابل نہیں۔"

"لیکن ابّا جان... ہم کام کی بات ان سے خود تو اگلوا سکتے ہیں... ہو سکتا ہے... انھیں کچھ معلوم ہو... لیکن یہ نہیں جانتے کہ وہ بات کس قدر اہم ہے۔" فرزانہ نے مشورہ دیا۔

"بالکل ٹھیک... ہم یہ کوشش ضرور کریں گے، لیکن یہاں نہیں... اپنے گھر چل کر... اس کے گھر فون کر دیں گے، تاکہ انھیں سکون ہو جائے۔"

"یہ ٹھیک رہے گا... آئیے چلیں۔"

وہ مکان سے باہر نکلے ہی تھے کہ انھیں ہر طرف دھواں بلند ہوتا نظر آیا... چاروں طرف دھواں ہی

دھواں...

"اوہو... یہ تو درختوں کو آگ لگا دی گئی ہے... تاکہ ہم اندر ہی جل کر بھسم ہو جائیں... دوڑو... جس قدر تیزی سے دوڑ سکتے ہو... دوڑو۔" وہ چلّا اٹھے۔

ان سب نے دوڑنا شروع کیا... پروفیسر داؤد کو انسپکٹر جمشید نے اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور اس کے باوجود سب سے آگے نکل گئے... چاروں طرف آگ بھڑک رہی تھی... انھیں اس آگ میں سے نکلنا تھا... یہ جنگل اب آگ کا جنگل نظر آ رہا تھا... انھوں نے جس طرف سے بھی نکلنا چاہا... آگ کے شعلوں نے ان کا استقبال کیا... یہ حالات دیکھ کر انسپکٹر جمشید چلّائے:

"ہم جتنی دیر کریں گے... موت اتنا ہی ہم سے نزدیک آتی چلی جائے گی... تھوڑا بہت تو جھلسنا پڑے گا، وہ بھی اس وقت... اس کے بعد تو ہم نکل ہی نہیں سکیں گے... کیوں کہ آگ پھر پوری طرح جنگل کو اپنی لپیٹ میں لے چکی ہو گی... لہذا ہمت کرو... دوڑتے ہوئے اس آگ میں سے نکل جاؤ... شاباش... اب کوئی نہیں رکے... جو رکا... سمجھ لو... وہ ہم سے بچھڑ جائے گا۔"

"ہم نہیں رکیں گے ابّا جان ... چاہے کتنے ہی جھلس جائیں۔"

انھوں نے آگ کے درمیان دوڑنا شروع کر دیا ... یہ ان کی زندگی کے خوف ناک ترین اور ہول ناک ترین لمحات تھے، موت آگ کی صورت میں بار بار ان کی بلائیں لینے کے لیے آگے بڑھ رہی تھی ... عام لوگ ہوتے تو کبھی کے مر جاتے ... لیکن یہ لوگ تو تھے ہی اور قسم کے ... لوگ ... جلتے بھنتے، جھلستے آخر کار وہ آگ کا یہ سمندر پار کر ہی گئے ... اور جنگل میں اس جگہ آ گئے ... جو آگ سے محفوظ تھی ... ہوا کا رخ بھی دوسری طرف سا تھا ... اس لیے اس طرف آگ کے پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا ... انھوں نے سکون کا سانس لیا اور بے ہوش ہو کر گرتے چلے گئے ... انسپکٹر جمشید نے خود کو سنبھالا ... انھوں نے سوچا ... اگر میں بھی گر گیا تو ... تو نہ جانے کیا ہو جائے، ہو سکتا ہے ... ہوا کا رخ بدل جائے ... اس کے ساتھ ہی آگ کا رخ بھی بدل جائے گا ... لہٰذا انھوں نے ہوش و حواس قائم رکھے اور خود کو بے ہوش ہونے سے بچانے کی کوشش کرنے لگے ... اور یہ کوشش صرف اور صرف ارادی تھی ... عملی نہیں ... انھوں نے اپنے دماغ

کی قوت سے کام لے کر آخر خود کو بے ہوش ہونے سے بچا لیا ... اور ایک ایک کو اٹھا کر کار تک لانے لگے ... یہ ایک مشکل ترین کام تھا ... آگ میں سے گزرنے کی وجہ سے جسم کئی جگہ سے جھلس گیا تھا ... ان حصوں میں آگ سی لگی ہوئی تھی ... لیکن انھیں اپنے ساتھیوں کو کار تک لانا تھا ... سب سے پہلے انھوں نے پروفیسر داؤد کو کار تک پہنچایا ... اسی طرح باری باری سب لوگ کار میں پہنچ گئے ... اب وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے ... حالت ان کی بھی اچھی نہیں تھی ... وہ خود بھی جگہ جگہ سے جھلس گئے تھے ... لیکن پھر بھی اگر اس وقت مسئلہ اپنے ساتھیوں کو ہسپتال پہنچانے کا نہ ہوتا، تو وہ آگ لگانے والوں سے ٹکرائے بغیر یہاں سے جانا پسند نہ کرتے ... لیکن ان حالات میں انھوں نے یہی مناسب خیال کیا کہ پہلے اپنے ساتھیوں کو محفوظ مقام تک پہنچا دیں ... پھر یہاں آکر ان لوگوں سے دو دو ہاتھ کریں، بشرطیکہ وہ یہاں انھیں مل جاتے ہیں ...

لیکن ان کا یہ ارادہ بھی شاید دشمن پورا ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے تھے ... جونہی انھوں نے کار آگے بڑھائی راستے میں ایک درخت گرا نظر آیا ... وہ جھلّا اٹھے ...

دائیں بائیں دیکھا... کوئی نظر نہ آیا... درخت خود بخود نہیں گرا تھا، بلکہ اس کو گرایا گیا تھا... گویا دشمن ان کی تاک میں تھے... انھوں نے پیچھے دیکھا... پیچھے بھی ایک درخت گرا ہوا تھا... بائیں طرف آگ تھی... دائیں طرف دیکھا تو ایک درخت ادھر بھی نظر آیا...

"حیرت ہے... انھوں نے اس قدر جلد اور آسانی سے درخت کیسے گرا دیے... شاید پہلے ہی انتظام کر لیا ہو گا... درختوں پر آرا پہلے سے چلایا ہوا ہو گا... تھوڑی سی کسر چھوڑی ہو گی... لہٰذا ضرورت کے وقت انھوں نے جونہی زور لگایا ہو گا... درخت نیچے آ رہے ہوں گے۔"

اب ان کے پاس سوائے نیچے اترنے کے کوئی چارہ نہیں تھا... اپنے تمام ساتھیوں کو انھوں نے اکرام کے ماتحتوں کی لائی ہوئی بڑی گاڑی میں لادا تھا... انھوں نے گاڑی کا دروازہ کھولا اور اس کے نیچے رینگ گئے... ساتھ ہی انھوں نے اپنا پستول نکال لیا... اچانک ان پر تین طرف سے فائرنگ ہونے لگی... گویا دشمن پوری طرح تیار تھا اور اس کی کوشش یہ تھی کہ وہ کسی صورت بھی بچ کر نہ جا سکیں... انھوں نے چند لمحے کے لیے سوچا... اور پھر اچانک ان کے ذہن میں ایک بات آ گئی... وہ گاڑی

کے نیچے رینگتے ہوئے اس کی پچھلی سمت میں آئے... یہ سمت آگ کی طرف تھی... اور اس طرف دشمن نہیں تھے.... انھوں نے آواز پیدا کیے بغیر پچھلا دروازہ کھولا اور گاڑی پر سوار ہو گئے... یہ مضبوط لوہے کی دیواروں والی گاڑی تھی اور فائرنگ سے بچاؤ کے لیے اس وقت قلعے کا کام دے سکتی تھی... جب کہ اس سے باہر انسپکٹر جمشید بالکل غیر محفوظ تھے... دوسرے یہ کہ دیواروں کے اوپری حصے میں جالی لگی ہوئی تھی... وہ اس میں دو طرف سے فائرنگ کر سکتے تھے... رہ گئی انجن والی سمت... وہ اس طرف کے دشمنوں پر فائرنگ نہیں کر سکتے تھے... لیکن ان کے حملے سے بھی تو محفوظ تھے... دوسرے یہ کہ نزدیک آ کر حملہ کرنے کے لیے انھیں بھی دائیں بائیں آنا پڑتا، لہٰذا انھوں نے اس طرف کوئی دھیان نہ دیا اور دائیں یا بائیں نشانہ لے لے کر فائر کرنے لگے... دشمن بھی درختوں کی اوٹ میں تھے، لیکن انھیں فائر کرنے کے لیے ہاتھ اور تھوڑا سا سر کو باہر نکالنا ہی پڑتا تھا... اور ان کے لیے وہی موقع کافی ہو جاتا تھا... انھیں نشانہ لینے کے لیے کوئی محنت تو کرنا نہیں پڑتی تھی... ایسے میں محمود کی آواز ابھری:

"یہ... یہ کیا ہو رہا ہے ابا جان... ہم کہاں ہیں۔"

"اوہ! تم ہوش میں آ گئے... پستول نکال لو اور تم دائیں طرف کا مورچہ سنبھال لو... لیکن بہت احتیاط کی ضرورت ہے... یہ لوگ ہمیں ہر حال میں مار ڈالنا چاہتے ہیں۔"

"جی اچھا..." اس نے کہا... سر کو جھٹکا دیا، پستول سنبھالا اور اپنے مورچے پر ڈٹ گیا... اس وقت تک یہ ہوتا رہا تھا کہ انسپکٹر جمشید پہلے دائیں طرف حملہ کرتے تھے... پھر بائیں طرف... لیکن محمود کے شامل ہو جانے سے اب انھیں مورچہ چھوڑنے کی ضرورت نہیں رہی تھی... گویا اب وہ دشمن کی پیش قدمی کو روک سکتے تھے... پہلے ایسا نہیں تھا، انسپکٹر جمشید ایک طرف اور محمود دوسری طرف... اب دشمن کی پیش قدمی اور کم ہو گئی... ایسے میں فاروق اور فرزانہ بھی ہوش میں آ گئے... اگرچہ وہ بھی زخمی تھے، اور کئی جگہ سے جھلس گئے تھے... لیکن جونہی صورت حال ان کی سمجھ میں آئی... وہ بھی اٹھ کھڑے ہوئے... اب وہ دو سے چار ہو گئے... گاڑی سے فائرنگ مسلسل ہونے لگی... پولیس کی گاڑی تھی... اسلحہ اس میں موجود تھا۔ اچانک دشمن کی طرف خاموشی چھا گئی...

"یہ کیا ہوا ابا جان؟" محمود نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اب وہ کسی اور رخ سے وار کریں گے..." انھوں نے

دیکھ لیا ہے کہ اس طرح دال نہیں گل رہی۔"

"تب پھر... ڈرائیونگ سیٹ تک پہنچنے کی کوشش کریں... تاکہ ہم بھی یہاں سے نکل چلیں۔"

"ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

انھوں نے پوری احتیاط سے دروازہ کھولا اور نیچے رینگ گئے... چاروں طرف نظر گھمائی... دشمن کا دور دور تک پتا نہ تھا... وہ زمین پر رینگتے ہوئے ڈرائیونگ سیٹ کی طرف بڑھتے چلے گئے... اچانک ان کے سر پر کوئی چیز آ کر لگی... ان کا سر زور سے چکرایا اور پھر انھیں کوئی ہوش نہ رہا...

غریب میاں

جب دو تین منٹ گزر گئے اور انسپکٹر جمشید نے انجن سٹارٹ نہ کیا تو انھیں الجھن ہونے لگی:

"ابا جان نے تو دیر لگا دی۔" فرزانہ نے بے چین ہو کر کہا۔

"ہو سکتا ہے... انھیں لمبا چکر کاٹنا پڑ گیا ہے... آخر دشمن کی نظر سے بچ کر ڈرائیونگ سیٹ تک پہنچنا ہے بھئی۔" محمود نے منہ بنایا۔

"ٹھیک ہے... ابھی ہم دو تین منٹ اور انتظار کر لیتے ہیں۔"

انتظار کی گھڑیاں بے تابانہ انداز میں گزرنے لگیں اور پھر وہ مزید بے چین ہو گئے:

"نہیں بھئی... کوئی گڑبڑ ہے... اتنی دیر نہیں لگ سکتی تھی۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"تب پھر میں نیچے اتر کر دیکھتا ہوں۔"

"ہم دونوں بھی تمھارے ساتھ چلتے ہیں... باقی لوگ ابھی تک بے ہوش ہیں۔"

"نہیں! سب کا نیچے اترنا ٹھیک نہیں... نہ جانے حالات کیا ہیں... صرف میں جاؤں گا اور تم دونوں دروازہ اندر سے بند کر بیٹھو گے۔"

"اچھی بات ہے... یونہی سہی۔"

محمود نے چٹخنی گرائی، اور نیچے رینگ گیا... فاروق نے فوراً دروازہ اندر سے بند کر لیا... محمود باہر نکل کر زمین پر لیٹ گیا اور رینگنے لگا... یہاں تک کہ وہ اس جگہ پہنچ گیا... جہاں انسپکٹر جمشید بے ہوش پڑے تھے اور ان کے سر سے خون بہ رہا تھا:

"اُف مالک!" محمود نے دل میں کہا۔

عین اسی وقت اس کے سر پر بھی ایک پتھر آکر لگا اور وہ بھی بے ہوش ہو گیا... آواز تک بھی اس کے منہ سے نہ نکل سکی:

ادھر فاروق اور فرزانہ کا مارے بے چینی کے بُرا حال تھا... آخر فرزانہ بولی:

"نہیں بھئی... باہر ضرور ہمارے لیے کوئی جال بچھایا

گیا ہے اور ہم باری باری اس جال میں پھنس رہے ہیں... ابا جان اور محمود پھنس چکے ہیں... اب اگر ہم میں سے کوئی گیا تو وہ بھی پھنس کر رہ جائے گا۔"

"تب پھر تم کیا کہتی ہو..." فاروق فکر مند ہو گیا۔

"آؤ۔" اس نے اشارے میں کہا۔

یہ کہ کر فرزانہ نے ایک عجیب حرکت کی... فاروق مسکرائے بغیر نہ رہ سکا... گاڑی کے باہر کافی دیر تک خاموشی رہی... پھر باہر کسی نے کہا:

"ان میں سے صرف دو باہر نکلے ہیں... اس کا مطلب ہے... باقی باہر نکلنے کے قابل نہیں ہیں۔"

"تب پھر ڈال لو انھیں اپنی گاڑی میں، اور اس گاڑی کو اسی طرح لے چلتے ہیں... میں باہر سے چٹخنی لگا دیتا ہوں۔"

جلد ہی چٹخنی لگنے کی آواز گونجی... اور پھر گاڑی چل پڑی... آدھ گھنٹے کے سفر کے بعد گاڑی رک گئی، اور دروازے کے باہر کسی نے گونج دار آواز میں کہا:

"ہم دروازہ کھول رہے ہیں... تم میں سے اگر کسی نے گولی وولی چلانے کی کوشش کی تو ہماری طرف سے گولیوں کی بوچھاڑ ماری جائے گی اور تم سب اپنے خون میں

نہا جاؤ گے۔"

ان الفاظ کے بعد ایک منٹ تک انتظار کیا گیا، اور احتیاط سے چٹخنی گرائی گئی... پھر اچانک دروازہ کھولا گیا، ساتھ ہی کسی نے کہا:

"اوہو... یہ سب تو بری طرح بے ہوش ہیں... گویا ان میں سے صرف دو ہوش میں آئے تھے... حیرت ہے، فائرنگ اس انداز میں کر رہے تھے... جیسے کئی ہوں۔"

"بھئی یہ انسپکٹر جمشید وغیرہ ہیں... کوئی عام آدمی نہیں ہیں... یہ تو ہمارا بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انھیں پکڑ کر لے آئے ہیں... باس بھی خوش ہو جائے گا، چلو آؤ... باس کو خبر کریں... لیکن نہیں... پہلے ان سب کو باندھنا ضروری ہے۔"

انھوں نے گاڑی میں لیٹے ہوئے تمام زخمیوں کو رسیوں سے باندھ ڈالا اور پھر باہر نکل گئے... چند منٹ بعد قدموں کی آواز ابھری... ان میں سے ایک کی آواز آئی:

"یہ ملا ہے اس کارنامہ کا صلہ... باس نے الٹا جھاڑ دیا... کہ ان لوگوں کو یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی، وہیں ٹھکانے لگا کر آگ میں پھینک دیا ہوتا، نہ رہتا بانس... نہ بجتی بانسری۔"

"باس بھی ٹھیک کہتا ہے... جب اس نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ان لوگوں کو بس ختم کرنا ہے تو ہمیں یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی... اب ہو سکتا ہے، ان میں سے کچھ ہوش میں آ گئے ہوں اور یہ جگہ انھوں نے دیکھ لی ہو۔"

"نہیں... یہ سب اسی طرح پڑے ہیں... اور پھر یہ کہ بندھے ہوئے ہیں... یہ اٹھ کر بھلا کس طرح جگہ دیکھ سکتے تھے۔"

گاڑی پھر چل پڑی... پھر آدھ گھنٹا گزر گیا اور آخر گاڑی رکی...

"دروازہ کھول دو بھئی... سب لوگ بندھے ہوئے ہیں... اب یہ ہمارے لیے آسان شکار ہیں... یہ انسپکٹر جمشید وغیرہ بھی بس یونہی مشہور تھے... یہ تو چوہوں کی طرح پکڑے گئے..." کسی نے فخریہ انداز میں کہا۔

جونہی دروازہ کھلا... گولیوں کی تڑتڑاہٹ گونج اٹھی... اور اس قدر گولیاں چلائی گئیں کہ باہر کھڑے تمام دشمن خاک میں تڑپنے لگے... ان میں سے ایک بھی اپنے پیروں پر کھڑا نہ رہا...

"بہت خوب! اسے کہتے ہیں... ترکیب... بھئی فرزانہ

مان گیا میں آج تمھیں۔"

"ہائیں... اس کا مطلب ہے... اس سے پہلے تم نے مجھے کبھی نہیں مانا۔" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"نہیں... اس سے پہلے میں خود کو جو مانتا رہا۔" فاروق مسکرایا۔

"چلو اچھا ہے... تمھاری غلط فہمی دور تو ہو گئی۔"

"ہم تو باتوں میں رہ گئے... سب سے پہلے ابا جان اور محمود کی خبر لینی چاہیے۔"

"اوہ ہاں! آؤ۔"

انھوں نے پہلے دشمنوں پر نظر ڈالی... پھر اپنے ساتھیوں کو کھول کر انھی رسیوں سے دشمنوں کو باندھ دیا اور دوسری گاڑی کی طرف آئے... اس کی پچھلی سیٹ پر ان کے والد اور محمود بے ہوش پڑے تھے... خون ان کے سروں سے نکل کر اِدھر اُدھر جم گیا تھا... انھوں نے پٹی باندھنے کی بھی ضرورت نہیں محسوس کی تھی... انھوں نے اپنے رومالوں کی پٹیاں ان کے سروں پر باندھ دیں... اور پھر ہوش میں لانے کی کوشش کی... آخر انسپکٹر جمشید، محمود، پروفیسر داؤد اور کچھ اور ساتھی ہوش میں آئے... فاروق نے جلدی جلدی

انھیں حالات سنائے اور بتایا کہ وہ دونوں گاڑی کی سیٹوں
کے نیچے لیٹ گئے تھے... دشمن انھیں نہیں دیکھ سکے
تھے... انسپکٹر جمشید اور دوسرے مسکرا دیے:

"اب سوال یہ ہے کہ کیا کریں... آپ سب کو پہلے
ہسپتال لے کر جائیں.. یا کہ اس جگہ جائیں، جہاں یہ لوگ
ہمیں لے کر گئے تھے... اور جہاں سے ہدایات لے
کر آئے ہیں۔"

"ہمارے زخم کہیں نہیں جا رہے... باس ضرور ہوشیار
ہو جائے گا... ہمیں پہلے اس تک پہنچنا چاہیے، آخر
وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے؟"

"تو پھر چلیے... گاڑی چلنے پر ہم سیٹوں کے نیچے سے
نکل آئے تھے اور راستے ذہن نشین کر لیے تھے۔"

"بہت خوب"، انسپکٹر جمشید بولے۔

وہ اسی وقت اس طرف روانہ ہو گئے... دشمنوں
کو انھوں نے بندھی ہوئی حالت میں وہیں چھوڑ دیا تھا
محمود نے گاڑی اس جگہ سے کافی فاصلے پر رکوائی:

"اب ہمیں یہاں سے پیدل چلنا چاہیے... درختوں
کے جھنڈ میں گھری ایک بہت پرانی سی عمارت ہے،
یہ لوگ اس عمارت میں گئے تھے... گویا ان کا باس

وہاں رہتا ہے۔"

"بہت خوب! یہ تو بہت آسان کام ہو گیا۔" انسپکٹر
جمشید خوش ہو گئے۔

وہ محتاط انداز میں آگے بڑھتے چلے گئے... یہاں
تک کہ مکان انھیں نظر آنے لگا... وہ مغلیہ طرز کا
مکان تھا... شاید کسی مغل خاندان نے بنوایا تھا...
آج بھی تر و تازہ دکھائی دے رہا تھا... اس کی چھت
پر ایک سفید مرغ بنا ہوا تھا...

"اس سفید مرغ کا مقصد سمجھ میں نہیں آ رہا..."
انسپکٹر جمشید بڑبڑائے۔

"جی... کیا مطلب؟" وہ چونکے۔

"میں نے آج تک کسی مغلیہ عمارت پر مرغ بنا ہوا
نہیں دیکھا۔"

"تو کیا ہوا ابا جان... جس نے یہ عمارت بنوائی،
وہ مرغوں کا بہت شوقین ہو گا۔" فرزانہ بولی۔

"یہ بات نہیں... اس مرغ کی بناوٹ میں اور اس
عمارت کی بناوٹ میں بہت فرق ہے... یہ ایک کاریگر
کے ہاتھ کی نہیں ہو سکتی... میرا کہنے کا مطلب یہ ہے
کہ یہ مرغ بعد میں بنوایا گیا ہے۔"

"چلیے بنوایا گیا ہو گا... آخر کار تم اس کے پیچھے ہاتھ دھو کر کیوں پڑ گئے۔" پروفیسر داؤد نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں واقعی... کم از کم مجھے ہاتھ دھو کر تو پیچھے نہیں پڑنا چاہیے تھا۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

پھر وہ عمارت کے نزدیک آ گئے... انھوں نے محمود کو اشارہ کیا... اس نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی... ایک سفید بالوں والے بوڑھے نے دروازہ کھولا اور حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا:

"جی فرمایئے... آپ کون لوگ ہیں، اور مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔"

"کھیل ختم ہو گیا۔" فاروق بولا۔

"کھیل ختم ہو گیا... کیا مطلب۔" وہ چونکا۔

"آپ کے ساتھی پکڑے گئے... وہ اس جنگل میں چل نہیں سکے۔"

"پتا نہیں... آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اس نے الجھن کے عالم میں کہا۔

"ایک گھنٹا پہلے یہ گاڑی یہاں آئی تھی... اس میں سے دو آدمی اتر کر آپ کے دروازے پر آئے تھے... آپ نے دروازہ کھولا تھا اور ان سے کوئی بات کی تھی۔"

بوڑھے کا رنگ اڑ گیا... پھر اس نے سنبھل کر کہا:

"آپ لوگوں کو ضرور غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔"

"یہاں بالکل اس جیسی عمارت تھوڑے ہی فاصلے پر ایک اور بھی ہے... گاڑی پر اگر جائیں تو ایک منٹ کا راستا ہے... عمارت وہاں جا کر ہی نظر آئے گی۔"

"اور کیا اس کی منڈیر پر بھی سفید مرغ بنا ہوا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے سوال کیا۔

"نہیں..." اس نے فوراً کہا۔

"شکریہ... ہماری ایک عادت ہے اور وہ یہ کہ جب کوئی فاصلہ ناپتے ہیں تو بہت زیادہ صحیح ناپتے ہیں... فاصلہ اگر ایک منٹ کا ہوتا تو ہم یہاں کبھی نہ رکتے۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میں نے کچھ لوگوں سے بات کی... وہ لوگ میرے ساتھی تھے۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"لیکن بھئی... میں نے ان سے کیا بات کی تھی۔"

"اس وقت ہم ان کی گاڑی میں بندھے پڑے تھے... نے ان سے کہا کہ ان لوگوں کو یہاں لانے کی کیا ...رت تھی، وہیں جنگل کی آگ میں پھینک دیا ہوتا،

اور یہ کہ اب انھیں وہیں لے جاؤ... اور آگ میں پھینک
دو... چنانچہ وہ لوگ واپس پلٹے... اور ہمیں وہاں لے
گئے... اب یہ اور بات ہے کہ وہ ہمیں آگ میں نہیں
دھکیل سکے، اور ہمارے ہتھے چڑھ گئے..."

"خیر... آپ کے پاس اس بات کا ثبوت کیا ہے...
عدالت آپ کی عادات کو بطور ثبوت تسلیم نہیں کرے
گی۔" بوڑھے نے کہا۔

"بالکل ٹھیک... لیکن وہ عدالت میں بیان تو دیں گے،
آپ کو شناخت تو کریں گے۔"

"وہ ایسا نہیں کریں گے... وہ مجھے جانتے تک نہیں...
آپ تجربہ کر لیں... مجھے ساتھ لے جانا چاہیں تو ساتھ
لے جائیں... گرفتار کرنا چاہیں، تو گرفتار کر لیں... لیکن میں
چونکہ مجرم نہیں ہوں، اس لیے آپ مجھے مجرم ثابت نہیں کر
سکیں گے۔"

"چلیے پھر... یہاں آپ کے ساتھ اور کون رہتا ہے؟"

"بس صرف میں رہتا ہوں۔"

"آپ نے کس کے کہنے پر رضوان قدیر کو اغوا کیا
تھا۔"

"رضوان قدیر... میں تو اس نام کے کسی آدمی کو

نہیں جانتا۔"

"کیا آپ نے کسی کے کہنے پر اغوا کرنے کی بجائے خود
اپنے لیے اغوا کرایا تھا۔"

"آپ کیوں مجھے اغوا کا مجرم بنانے پر تل گئے ہیں،
پہلے مجھے مجرموں سے شناخت تو کرا لیں۔"

"آپ اقرار کر چکے ہیں کہ مجرموں کو اچھی طرح جانتے
ہیں۔"

"یہ میں نے کب کہا۔"

"آپ نے کہا تھا، وہ ایسا نہیں کریں گے.... گویا
آپ انھیں جانتے ہیں۔"

"یہ نتیجہ آپ نے نکالا ہے... اور کوئی نہیں نکالے
گا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"خیر... ابھی آپ کو ان لوگوں سے شناخت کرایا جائے
گا... فکر نہ کریں... اگر آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے تو
آپ کو فوراً رہا کر دیا جائے گا اور معافی بھی مانگ لی
جائے گی آپ سے... ارے ہاں! آپ یہاں جنگل
میں کیوں رہتے ہیں۔"

"یہ میرا شوق ہے... میں شہر کے ہنگاموں سے بہت
گھبراتا ہوں۔"

"اور آپ کام کیا کرتے ہیں؟"

"بس زمین ہے تھوڑی بہت... میں دنیا میں تنہا ہوں، اب کس کے لیے کوئی کام کروں... زمین کی آمدنی سے ہی گزر بسر ہو جاتی ہے۔"

"آپ نے اب تک اپنا نام نہیں بتایا۔"

"آپ نے پوچھا ہی کب... میرا نام غریب میاں ہے۔"

"غریب میاں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ہاں کیوں... کیا ہوا... کیا یہ نام بھی کسی ناول کا ہو سکتا ہے۔" محمود مسکرایا۔

"یہی تو مشکل ہے کہ نہیں ہو سکتا۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"غریب میاں... آپ کافی پُراسرار آدمی نظر آتے ہیں۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے... اب میں پُراسرار بھی لگنے لگا۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

آخر وہ اس جگہ پہنچے جہاں باقی لوگ بندھے پڑے تھے۔ غریب میاں کو ایک بند گاڑی میں الگ رکھا گیا... ان لوگوں کو الگ... اور اس طرح وہ شہر کی طرف روانہ ہوئے... راستے میں انسپکٹر جمشید نے ان لوگوں سے سوالات کا سلسلہ شروع کیا:

"جنگل میں جو عمارت، سفید مرغ والی ہے... تمہارا باس اس عمارت میں رہتا ہے، تم نے اس کے کہنے پر رضوان قدیر کو اغوا کیا تھا... پھر جب ہم نے رضوان قدیر کو تلاش کر لیا، اور تم لوگوں نے دیکھ لیا کہ ہم اس تک پہنچ گئے تو تم دوڑے غریب میاں کی طرف... اس نے حکم دیا کہ جنگل کو آگ لگا دو... تاکہ ہم سب جل جائیں... تم نے لگا دی... ہم اس سے نکل آئے تو ہم پر حملہ کیا گیا... ہم نے اس مقابلے میں بھی تم لوگوں کو شکست دی... پہلے ہمیں شکست ہوئی تو تم ہمیں لے کر غریب میاں کے پاس گئے تھے اور اس سے ہمارے بارے میں حکم پوچھا تو اس نے کہا کہ یہاں لانے کی کیا ضرورت تھی... وہیں جلا دیا ہوتا... اور یہ کہ لے جاؤ اور جنگل میں جلا دو... تم ہمیں واپس لائے اور خود ہمارے ہاتھوں شکست کھا گئے... اب ہم نے غریب میاں کو بھی گرفتار کر لیا ہے... تم لوگ اس بارے میں کیا کہتے ہو۔"

"یہ کہ ہم کسی غریب میاں کو نہیں جانتے۔"

"اور کیا تم ہمیں زخمی حالت میں لے کر جنگل والی عمارت تک بھی نہیں گئے تھے۔"

"نہیں... ہم تو جنگل میں شکار کھیل رہے تھے کہ آپ

لوگ ہمیں پکڑ لائے... جب کہ ہمارے پاس شکار کھیلنے کے
لائسنس ہیں... آپ نے لائسنس بھی نہیں دیکھے اور ہمیں
گرفتار کر لیا۔"

"اور جنگل میں جو فائرنگ ہوئی... اس کا جواز کہاں سے
پیش کرو گے... جو اسلحہ تم سے حاصل کیا گیا... اس کا
کیا جواب دو گے۔"

"وہ تو ہم نے شکار کھیلنے کے سلسلے میں فائرنگ کی
تھی۔"

"ہوں! بات تو ٹھیک ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"خیر... دیکھتے ہیں کبھی۔" انسپکٹر جمشید مسکرا دیے۔

وہ انھیں ہیڈ کوارٹر لائے... پہلے ان کی انگلیوں کے
نشانات لیے گئے... پھر بیانات لکھے گئے کہ اس کے بعد
غریب میاں کو ان کے سامنے پیش کیا گیا، ڈاکٹرز کو وہیں
بلا لیا گیا تھا، اور وہ اس تفتیش کے دوران وہ مرہم پٹی
بھی کرا رہے تھے:

"آپ لوگ ان صاحب کو جانتے ہیں۔"

"جی... زندگی میں پہلی بار دیکھ رہے ہیں۔"

"غریب میاں... آپ کیا جانتے ہیں۔"

"میں بھی انھیں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

"اچھا ہی کر رہے ہیں... ورنہ آپ تو کہہ سکتے تھے کہ
ہم تو پہلی بار بھی نہیں دیکھ رہے۔" فاروق نے بھنا
کر کہا۔

"ان لوگوں نے ہم پر حملہ کیا... ہمیں زندہ جلا دینے
کی کوشش کی... یہ لوگ تو گرفتار کیے جا رہے ہیں... آپ
اپنے گھر جا سکتے ہیں..." انسپکٹر جمشید نے مایوسانہ انداز
میں کہا۔

"شکریہ... آپ جائیں اور یہ جائیں..." اس نے کندھے
اچکائے اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیوں؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"اصل میں تو ہمیں اسے گرفتار کرنا تھا۔"

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... اب نہیں تو ہم ٹھہر
کر ان صاحب کو گرفتار کر لیں گے... ہمیں کیا فرق پڑتا
ہے... اب ذرا اپنے انکل کو فون کرو۔"

محمود نے اکرام کو فون کیا... جلد ہی وہ آ گیا:

"اکرام... ذرا انھیں دیکھنا... یہ کس مٹی کے بنے ہوئے
ہیں، ان کا حدود اربعہ کیا ہے۔"

اکرام نے انھیں بغور دیکھا... پھر بولا:

"ان کے چہرے جانے پہچانے سے ضرور ہیں، لیکن دھندلے
دھندلے سے یاد آ رہے ہیں... ریکارڈ دیکھنا ہو گا۔"

"تو پھر دیکھ لو اکرام... ہمیں کوئی جلدی نہیں ہے...
ہم دو گھنٹے بعد پھر یہاں آئیں گے... اس وقت پوری
رپورٹ پڑھ لیں گے... لیکن یہ فرار نہ ہونے پائیں...
اور کوئی انھیں چھڑا کر نہ لے جائے... میرا خیال ہے
کہ ایسی کوشش ضرور ہو گی... دوسری بات، دو سادہ لباس
والے غریب میاں کی نگرانی پر لگا دو... ہر آٹھ گھنٹے بعد
ان دو کی ڈیوٹی بدلتے رہو اور ان سے رپورٹ لیتے رہو،
اس کے گھر کے اندر تک کی مصروفیات کی ضرورت ہے
ہمیں... کیا سمجھے۔"

"یہ غریب میاں کون صاحب ہیں۔" اکرام نے چونک کر
کہا۔

انسپکٹر جمشید نے انھیں غریب میاں کے بارے میں بتایا
اور اکرام اسی وقت اٹھ کھڑا ہوا... وہ بھی گھر آئے...
رضوان قدیر کو انھوں نے اس کے گھر کے سامنے اتار
دیا تھا...

"رضوان نذیر کو اغوا کرنے کی وجہ تو اب تک سامنے
نہیں آ سکی... جب کہ آپ نے کہا تھا کہ جونہی رضوان

قدیر ملا، یہ کیس حل ہو جائے گا۔"

"ہاں! کیس تو حل ہو چکا ہے۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"جی... کیا مطلب؟"

"کیس حل ہو چکا... میں تمام تانے بانے ملا چکا ہوں،
اب صرف ثبوت حاصل کرنا ہے۔"

"ہم تو اب تک یہ نہیں سمجھ سکے... کہ کیس ہے کیا۔"

"اس لیے کہ تمام حالات کا تم نے باریک بینی سے
جائزہ نہیں لیا۔"

"تو پھر مجرم کون ہے۔"

"یہ میں ابھی نہیں بتاؤں گا۔"

"کیا وہ گل خان کو بھی قتل کرنا چاہتا تھا۔"

"یہ بھی میں ابھی نہیں بتاؤں گا۔"

"تو پھر کب بتائیں گے؟"

"جب اس کیس کا آخری سین مکمل ہو جائے گا۔"

"اور آخری سین کب مکمل ہو گا؟"

"جب اللہ کو منظور ہو گا۔"

"بات سمجھ میں آ گئی... آپ ہمیں کوئی بات اشارتاً بھی
نہیں بتائیں گے۔"

"چلو شکر کرو... بات تمھاری سمجھ میں آ گئی... میں اب

تم لوگوں کو گھر تک پہنچا کر ایک دو ضروری کام کرنا چاہتا ہوں۔" انھوں نے کہا۔

"ہم یہ بات بھی سمجھ گئے... آپ ہم سے الگ رہ کر اپنا کام مکمل کرنا چاہتے ہیں تاکہ کیس کو ہوا تک نہ لگ سکے۔"

"چلو تم یہی سمجھ لو... ایسی حرکات میں اس لیے بھی کرتا ہوں کہ تم میں بھی غور فکر کا مادہ پیدا ہو اور کیس کو سلجھانے کی صلاحیت میں اضافہ ہو۔"

"آپ کی سوچ اچھی ہے... ہم کوئی اعتراض نہیں کر رہے... لیکن ایک اجازت چاہیں گے۔" فرزانہ نے پُراسرار انداز میں کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ ہم اپنے طور پر مجرم تک پہنچنے کی کوشش کریں گے... آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا؟"

"مجھے تو بہت خوشی ہو گی... یہی تو میں چاہتا ہوں..." وہ مسکرا دیے۔

"تب پھر آپ ہمیں گھر نہیں... واپس رضوان قدیر صاحب کے گھر کے سامنے اتار دیں... اگر آپ خود وہاں نہیں جا رہے۔"

"نہیں! میں فی الحال اس کے پاس نہیں جا رہا... تم

لوگ پوری طرح آزاد ہو... جہاں جانا ہو، جا سکتے ہو... جس سے پوچھ گچھ کرنی ہو، کر سکتے ہو۔"

"آپ کو پھر بھی ایک آسانی ہماری نسبت زیادہ ہے۔"

"اور وہ کیا؟"

"یہ کہ اکرام انکل اور دوسرے سادہ لباس والوں سے جلدی جلدی رپورٹیں لے سکتے ہیں۔"

"تم بھی جس کے ذمے جو کام لگانا چاہو، لگا سکتے ہو... اور ان سے جلدی جلدی رپورٹیں لے سکتے ہو۔"

"بہت بہت شکریہ! اب آئے گا مزا۔" محمود پُرجوش انداز میں بولا۔

"کیا مطلب؛ اب آئے گا مزا۔" انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔

"ہاں ابا جان! ہم آپ سے پہلے مجرم تک پہنچنے کی کوشش کریں گے۔"

"بہت خوب بھئی... بہت خوب... تمھارا یہ چیلنج بھی مجھے منظور ہے۔" وہ مسکرائے۔

انھوں نے تینوں کو رضوان قدیر کے گھر کے سامنے اتارا اور آگے بڑھ گئے...

"ابا جان تو یہ جان بھی چکے ہیں کہ مجرم کون ہے...

انھیں تو بس اس کے خلاف ثبوت حاصل کرنا ہیں... جب کہ ہم ابھی کوئی اندازہ نہیں لگا پائے... اس لحاظ سے تو ہم ان سے بہت پیچھے ہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"گویا تمھیں یہ اقدام پسند نہیں آیا۔" فرزانہ نے اسے گھورا۔

"نہیں! ابا جان کے ساتھ بہت مزا آ رہا تھا۔"

"لیکن اب وہ ہمیں الگ رکھنا چاہتے تھے... اس صورت میں ہم گھر بیٹھ کر بھی کیا کرتے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"چلو خیر... اب مجھ پر گرجو برسو نہیں... دستک دو، جو تمھارا کام ہے۔" فاروق مسکرا دیا۔

محمود نے اسے گھورا... اور آگے بڑھ کر دستک دی... جلد ہی رضوان قدیر نے دروازہ کھولا اور حیران ہو کر بولا:

"کیا کوئی بات رہ گئی ہے۔"

"ان بے چاری باتوں میں بس یہی بری بات ہے کہ رہ جاتی ہیں۔" فاروق بڑبڑایا۔

"جی... کیا مطلب... بے چاری باتیں۔"

"ہاں جی... اور کیا... اب دیکھ لیجیے... رہ گئیں نا۔"

"کیا رہ گئیں..." اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

"کچھ باتیں... جو ہم آپ سے پوچھنا بھول گئے۔"

"آئیے... بڑے شوق سے پوچھیے..."

وہ انھیں ڈرائنگ روم میں لے آیا... پھر بیٹھنے کے بعد بولا:

"پوچھیے... آپ کو کیا پوچھنا ہے۔"

"کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ کو کیوں اغوا کیا گیا تھا..." فاروق بولا۔

"نہیں... میں اب تک نہیں سمجھ سکا۔"

"آپ ان میں سے کسی کو پہچانتے ہیں... جنھوں نے آپ کو اغوا کیا تھا۔" محمود نے جلدی سے کہا... اس ڈر سے کہ کہیں فاروق پھر کوئی اوٹ پٹانگ سوال نہ پوچھ لے۔

"نہیں! میں انھیں نہیں جانتا۔"

"ہوں... اچھا... یہ بتائیے... آپ کا اپنے ماموں سر کبیر خان کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"بہت اچھا خیال ہے... بہت اچھے آدمی ہیں..."

"آپ ان کے سب سے بڑے وارث ہیں... ان کی موت کی صورت میں آپ کو بہت بڑا فائدہ پہنچے گا۔"

"یہ باتیں تو مجھ سے پہلے کی جا چکی ہیں... اغوا ہونے سے پہلے۔" اس نے برا سا منہ بنایا۔

"ہاں! کی جا چکی ہیں... لیکن اس وقت آپ اغوا نہیں

ہوئے تھے... ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ آخر آپ کو اغوا کیوں کیا گیا تھا... غریب میاں تو کرائے کا آدمی تھا... اسے تو خود معلوم نہیں کہ آپ کو کس لیے اغوا کرایا گیا تھا۔"

"اس میں میرا کیا قصور۔"

"آپ کا قصور یہ ہے کہ آپ سرکبیر خان کے بھانجے ہیں... اگر نہ ہوتے تو کوئی کیوں آپ کو اغوا کرتا... آخر آپ نے کسی کا کیا بگاڑا تھا... اچھا یہ بتائیں... آپ سرکبیر خان کے والد کے بارے میں کیا جانتے ہیں۔"

"سنا ہے... انھیں قتل کیا گیا تھا۔"

"لیکن ڈاکٹر رازی کے سرٹیفکیٹ کے مطابق ان کی موت قدرتی ہوئی تھی۔"

"ڈاکٹر رازی... سر کیا کوئی ڈاکٹر... میرا مطلب ہے... رشوت خور ڈاکٹر ایسا جھوٹا سرٹیفکیٹ نہیں دے سکتا۔"

"ضرور دے سکتا ہے... اور ہو سکتا ہے... ایسا ہوا ہی ہو... آپ کا کیا خیال ہے۔"

"یہ کہ سرکبیر خان کے والد کو قتل کیا گیا تھا۔"

"اس کا مطلب ہے... ڈاکٹر رازی نے جھوٹا سرٹیفکیٹ دیا تھا۔"

"ہاں!" اس نے پُر زور انداز میں کہا۔

"آپ نے یہ معلومات کیسے حاصل کیں... آپ تو اس وقت بہت چھوٹے سے ہوں گے۔"

"ہاں! یہ معلومات تو میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد جمع کی تھیں... گل خان سے مل کر... کچھ باتیں میری والدہ نے بتائیں۔"

"کیا ہم آپ کی والدہ سے بات کر سکتے ہیں۔"

"کیوں نہیں... اگر آپ ضرورت محسوس کرتے ہیں تو ابھی بات کروا دیتا ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔"

وہ اٹھا اور کمرے سے نکل گیا... جلد ہی ایک ادھیڑ عمر عورت اندر داخل ہوئی... اس کے چہرے پر رنج اور غم تھا... آتے ہی کہنے لگی:

"مجھے تو خیر اس میں کوئی شک ہی نہیں کہ میرے والد کو زہر دیا گیا تھا... لیکن میرے بھائی سرکبیر خان نے ڈاکٹر رازی کا جب سرٹیفکیٹ پیش کیا تو سب حیران رہ گئے تھے... کیوں کہ ہر ایک کا خیال تھا کہ وہ پولیس کے ذریعے ان کے قتل کی تفتیش کرائیں گے۔"

"گویا سرٹیفکیٹ کے بعد پولیس کو تفتیش کی ضرورت نہیں رہی تھی... کیوں کہ قدرتی موت کی کوئی تفتیش

نہیں کرتا۔" محمود نے کہا۔

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"تو کیا آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ زہر آپ کے بھائی نے دیا تھا؟" فرزانہ نے بغور اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں... میں یہ نہیں کہتی... میں تو صرف یہ کہتی ہوں کہ موت قدرتی نہیں تھی... زہر سے ہوئی تھی۔"

"کیا آپ کے خیال میں یہ کام گل خان کا تو نہیں تھا؟"

"گل خان کا... ارے نہیں... وہ بے چارہ بھلا ایسا کیوں کرتا اور پھر اب تو خود اسے قتل کر دیا گیا ہے۔"

"اسی بات کی تو ہمیں حیرت ہے... آخر گل خان کو قتل کرنے کی کسی کو کیا ضرورت پیش آ گئی تھی..." رضوان قدیر کی والدہ بولی۔

"اور گل خان کو ہمیں خط لکھنے کی کیا ضرورت تھی، اگر اسے اپنی موت کا خطرہ تھا، تب وہ ملاقات کے موقع پر تو بتا ہی سکتا تھا کہ خط میں نے اس لیے لکھا ہے... لیکن وہ اس بات سے بھی انکار کرتا رہا کہ خط اس نے لکھا ہے۔"

"گویا ابھی تک آپ لوگ بھی کوئی نتیجہ نہیں نکال سکے..."

"نہیں! ہم تو بس صرف حیران ہیں اور پریشان ہیں۔"

"ایک نظریہ ہم بھی پیش کریں۔" فرزانہ نے اجازت لینے والے انداز میں کہا۔

"ضرور... کیوں نہیں۔" رضوان قدیر نے فوراً کہا۔

"پروگرام دراصل سر کبیر خان کے قتل کا تھا... لیکن غلطی سے مارا گیا گل خان... اور سر کبیر خان کے قتل کا فائدہ آپ کو ہوتا ہے۔"

"لیکن مجھے تو اس قتل سے پہلے ہی اغوا کر لیا گیا تھا۔" اس نے فوراً کہا۔

"بالکل ٹھیک... یہی بات تو آپ کے حق میں جاتی ہے، لیکن بعض اوقات جو بات سب سے زیادہ حق میں جائے، وہی سب سے زیادہ مخالفت میں بھی جا سکتی ہے... مثلاً یہ کہ آپ نے غریب میاں کے ذریعے اپنا اغوا خود کروایا تھا... ادھر سر کبیر خان کے قتل کی تیاری مکمل کر لی گئی تھی... ادھر سر کبیر خان قتل ہو جائے اور ادھر رضوان قدیر صاحب غائب ہوتے... بعد میں یہ بات معلوم ہوتی کہ انہیں تو اغوا کیا گیا تھا، اور وہ تو فلاں جنگل میں ایک مکان میں بند تھے... لہٰذا پولیس ان پر تو شک کرتی ہی نہ... اور لوگوں سے تفتیش کرتی رہتی... کیس

آخر کار قائل ہو جاتا اور ساری دولت رضوان صاحب کو مل جاتی... کیوں کیسی رہتی۔"

"ن... نہیں... ہم نے ایسی کوئی بات سوچی تک نہیں۔" رضوان قدیر نے گھبرا کر کہا۔

"اور پھر اس میں اصل خرابی یہ ہے کہ سرکبیر خان کی جگہ آخر گل خان کس طرح مارا گیا... جب کہ دونوں کے نہ تو قد ایک جیسے، نہ جسم... نہ شکل صورت... نہ لباس ایک جیسا... ایک جاگیردار، دوسرا اس گھر کا ملازم... یہ تو زمین آسمان کا فرق ہو گیا... اندھوں کو بھی یہ فرق نظر آ جاتا ہے..." رضوان قدیر کی والدہ نے فوراً کہا۔

"ہاں! یہی وہ الجھن ہے... جس کو ہم ابھی تک کسی خانے میں فٹ نہیں بٹھا سکے..." محمود نے سرد آہ بھری۔

"آپ کے ذہنوں میں کوئی بات آئی ہے۔"

"ہاں! ایک آئی ہے۔" رضوان قدیر نے مسکرا کر کہا۔

"اور وہ کیا؟"

"پروگرام واقعی انکل سرکبیر خان کے قتل کا تھا... اور یہ کام لیا جانا تھا، گل خان کے ذریعے۔"

"کیا!!!" ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"ہاں! کیوں کہ میرے باپ کا قتل بھی اسی کے ذریعے

کر دیا گیا تھا۔"

"نہیں!" وہ بولے۔

"لیکن کسی نے گل خان کو مار ڈالا... اس طرح سرکبیر خان قتل ہونے سے بچ گئے... جس شخص نے میرے والد کو قتل کیا تھا... اتنا عرصہ گزر جانے کے بعد، اس نے سرکبیر خان کو مارنے کا پروگرام بنایا... اسے یہ کام بھی گل خان کے ذریعے لینا تھا... لیکن گل خان اب اس کام پر رضامند نہ ہوا... اس نے راز کھولنے کا پروگرام بنا لیا اور ہمیں خط لکھ ڈالا... ادھر اصل قاتل کو اس کے ارادے کا علم ہو گیا، وہ سرکبیر خان کو تو بھول گیا... اسے اپنی فکر پڑ گئی... اس نے گل خان کا کام تمام کر دیا۔"

"لیکن یہاں ایک اور خرابی رہ جاتی ہے... اور وہ یہ کہ زیورات کھڑکی کے ذریعے نیچے پھینکنے والا رقعہ کس خانے میں فٹ ہو گا؟"

"یہ کام بھی گل خان کے ذریعے لیا جانا تھا... تاکہ یہ ڈکیتی کا کیس ثابت ہو... لہٰذا گل خان سے رقعہ پہلے ہی لکھوا لیا گیا تھا۔"

"اوہ! اس طرح تو یہ کہانی ایک لڑی میں پرُ گئی ہے۔" فاروق زور سے چونکا۔

"ہاں! اب سوال یہ ہے کہ اس جرم کے پیچھے کون ہے؟"

"ہاں! بس ہمیں اب یہی معلوم کرنا ہے۔" فرزانہ پرجوش انداز میں بولی۔

"اس کا مطلب ہے... ہم ابا جان سے پہلے اصل مجرم تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے... وہ تو مجرم کا نام معلوم بھی کر چکے ہیں۔"

"ہوں! خیر... دیکھا جائے گا۔"

"بطور قاتل ہمارے پاس صرف دو نام ہیں... پہلا نام رضوان قدیر صاحب کا اور دوسرا حکیم جان کا..."

"ہم دونوں میں سے اگر ایک قاتل ہے تو پھر یہ بتا دیا جائے کہ سر کبیر خان کے والد کو قتل کر کے اسے کیا ملا... اور اس نے اتنا عرصہ انتظار کیوں کیا..." رضوان قدیر کی والدہ بولیں۔

"ہمارے پاس ان دونوں سوالات کے جواب نہیں ہیں... صرف اندازہ لگا سکتے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"اور وہ کیا۔" محمود نے جلدی سے کہا۔

"بیس پچیس سال پہلے سر کبیر خان کے والد کا قتل اس انداز میں کیا گیا تھا کہ ان کے قاتل کے طور پر سر کبیر خان

کو گرفتار کر لیا جائے... لیکن انھوں نے ڈاکٹر رازی کے ذریعے غلط سرٹیفکیٹ لے کے قتل کے کیس کو قدرتی موت میں تبدیل کرا لیا... اور اس طرح معاملہ درمیان میں رہ گیا... ورنہ ہوتا یہی کہ سر کبیر خان صاحب گرفتار ہو جاتے... ان پر اپنے ہی باپ کے قتل کا مقدمہ چلتا اور اگر وہ پھانسی پا جاتے یا عمر قید کی سزا پا جاتے تو دولت آپ دونوں کے کام آتی..."

"لیکن ہمیں دولت کا لالچ نہیں ہے۔"

"بھئی یہ ایک زبانی بات ہے... عدالت میں اس کو ثبوت کے طور پر تو پیش نہیں کیا جا سکتا۔"

"خیر... یہ آپ کا کام ہے کہ ہم دونوں میں سے کس کو مجرم ثابت کرتے ہیں۔"

"ضرور... کیوں نہیں... ہم اسی کوشش میں ہیں... آؤ بھئی چلیں۔"

وہ اٹھے ہی تھے کہ انھیں ایک عجیب سا احساس ہوا، محمود دروازے کی طرف دوڑا...

کیا کہا

اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ کھول ڈالا... اور باہر نکل کر دائیں بائیں دیکھا... دور ایک آدمی بھاگتا نظر آیا، وہ بے تحاشا اس کے پیچھے دوڑ پڑا... فاروق بھی باہر نکل کر دوڑ پڑا... فرزانہ وہیں کھڑی رہ گئی:

"یہ... یہ کیا تھا۔" رضوان قدیر نے گھبرا کر پوچھا۔

"کوئی دروازے سے لگا ہماری باتیں سننے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"اوہ!"

"اور جہاں تک میرا خیال ہے... وہ حکیم جان تھا۔"

"ن... نہیں... تت... تو کیا..." رضوان قدیر کی والدہ جملہ مکمل نہ کر سکی۔

"اگر وہ یہ باتیں سن رہے تھے تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان تمام وارداتوں کے پیچھے ان کا ہاتھ ہے...

آپ کو اغوا کر کے انھوں نے آپ کو بھی مشکوک بنا دیا۔"

"نہیں... مجھے انھوں نے ہرگز اغوا نہیں کیا ہو گا... وہ ایسے آدمی نہیں ہیں۔"

"ابھی معلوم ہو جاتا ہے۔"

جلد ہی محمود اور فاروق واپس آتے نظر آئے... اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے ساتھ حکیم جان تھا...

"یہ ہماری باتیں سُن رہے تھے۔" محمود بولا۔

"لیکن کیوں... بھائی جان... آپ کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"م... میں صرف یہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کیس میں یہ کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔"

"پھر کیا سنا... ہم کس نتیجے پر پہنچے ہیں۔" فاروق نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"آپ لوگ مجھ پر اور رضوان قدیر پر شک کر رہے ہیں۔"

"اب ہم اس کیس میں اور شک کر بھی کس پر سکتے ہیں؟"

"سر کبیر خان پر۔" حکیم جان نے برا سا منہ بنا کر کہا... پھر غصے کے عالم میں اس نے کہا:

"بالکل سامنے کی بات ہے... آپ لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی... اور اِدھر اُدھر نتیجے نکال رہے ہیں۔"

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔"

"یہ کہ... اپنے والد کا قتل سر کبیر خان نے خود کیا تھا، اس قتل میں ان کا رازدار گل خان تھا... اتنا عرصہ گزر جانے تک تو وہ راز کو نہ جانے کس طرح چھپائے رہا... لیکن ضمیر نے اسے برابر پریشان کیے رکھا اور آخر اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ اس راز کو ظاہر کر کے رہے گا... لیکن راز کو ظاہر کرنے کا اس نے عجیب طریقہ سوچا... اس نے آپ کے والد کو ایک خط لکھا... کہ اس حویلی میں قتل کی ایک واردات ہونے والی ہے... اس نے سوچا تھا کہ انسپکٹر جمشید وہاں موجود ہوں گے، تو ان کی موجودگی میں وہ یہ راز ظاہر کرے گا... لیکن اس کے ارادے کو سر کبیر خان نے بھانپ لیا اور اسے ٹھکانے لگا دیا۔"

"لیکن کھڑکی کے ذریعے نقدی اور زیورات نیچے پھینکنے والے خط کے بارے میں آپ کیا کہیں گے... گل خان نے یہ خط کیوں لکھا تھا۔"

اس کے چہرے پر الجھن کے آثار نمودار ہو گئے... شاید اس سوال کے بارے میں اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا... وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا... پھر چونک کر اس نے کہا:

"ہو سکتا ہے... سر کبیر خان نے گل خان کے ساتھ کوئی چکر چلایا ہو... اس سے وہ خط کوئی چکمہ دے کر لکھوایا ہو اور اس کے بعد اسے ٹھکانے لگا دیا ہو۔"

"ہاں! یہ بھی ہو سکتا ہے... ہم اس پر بھی غور کریں گے... آپ فکر نہ کریں... لیکن چھپ کر ہماری بات چیت سننے پر آپ نے اپنے آپ کو مشکوک بنا لیا ہے۔"

"مجھے اس کی کوئی پروا نہیں... اگر میں مجرم ہوں تو آپ میرے خلاف ثبوت حاصل کریں... اور مجھے قانون کے حوالے کر دیں۔"

"ایسا تو خیر ہم کریں گے... آپ جا سکتے ہیں... بلکہ آپ کیا ہم بھی جا سکتے ہیں۔" فاروق مسکرایا۔

وہ گھر پہنچے تو انسپکٹر جمشید آ چکے تھے... انھیں دیکھ کر مسکرائے:

"سناؤ بھئی... کیا تیر چلا کر آئے ہو۔"

"وہ تو آپ کو چلانے آتے ہیں ابّا جان۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"مجرم تک پہنچے یا نہیں۔"

"ابھی تک نہیں... لیکن واقعات کو ایک لڑی میں پرونے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔"

"اگر اس میں کامیاب ہو گئے ہو تو پھر مجرم پوشیدہ کیوں ہیں...؟" انسپکٹر جمشید نے ان کی طرف غور سے دیکھا۔

"اس لیے کہ اس کا منصوبہ بہت زیادہ کامیاب ہے، اس نے جو کام بھی کیا ہے، خوب سوچ سمجھ کر کیا ہے۔"

"یہ بات تو خیر ٹھیک ہے۔"

"ہم فی الحال یہ کہہ سکتے ہیں کہ اصل بنیاد سرکبیر خان کے والد کا قتل ہے۔" فرزانہ نے جلدی سے کہا۔

"بہت خوب! مان گئے بھئی۔"

"آپ... ہمارا... مذاق تو نہیں اڑا رہے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"ارے نہیں... میں بھلا تم لوگوں کا مذاق کیوں اڑاؤں گا... یہ میری عادت نہیں... تم جانتے ہی ہو۔" وہ بولے۔

"جی ہاں! اس میں کوئی شک نہیں۔"

"اچھا چلو... اپنی کہانی سناؤ... ذرا دیکھوں تو تم نے واقعات کو کس طرح ترتیب دیا ہے اور یہ کہ ان میں کوئی جھول تو نہیں ہے۔"

"لیکن ابا جان! یہ کیا بات ہوئی؟"

"کیا مطلب... اس میں بات ہونے نہ ہونے کی کونسی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"بالکل ہے... دیکھیے نا... آپ تو ہمیں اپنی کہانی کی ہوا تک نہیں لگنے دیتے... اور ہم سے ہماری کہانی کی ہر بات پوچھ رہے ہیں۔"

"واقعی بھئی... تمہارا یہ اعتراض تو بالکل بجا ہے... اچھا ٹھیک ہے... تم مجھے کچھ نہ بتاؤ... اپنی کہانی پر غور کرتے رہو اور اگر اس میں کوئی جھول ہے تو اس کو دور کرنے کی کوشش کرو۔"

"جی بہتر۔" محمود نے کہا۔

ذرا دیر کے لیے صحن میں خاموشی چھا گئی... پھر محمود نے ہی کہا:

"لیکن ابا جان! ہم آپ کو بتائے بغیر نہیں رہ سکتے، یہ کاری گری ہم میں ابھی تک نہیں آئی کہ بات کو بالکل چھپا لیتے ہیں۔"

"یہ تمہاری اپنی مرضی کی بات ہے... میں تمہیں مجبور نہیں کرتا۔"

"جی بس! اب کیا بتائیں... آپ سن ہی لیں۔" فاروق نے مسمسی صورت بنائی۔

"چلو سناؤ۔" انسپکٹر جمشید ہنس پڑے۔

"سرکبیر خان کے والد کو قتل کیا گیا تھا۔"

"یہ تو بات خیر طے ہے۔" انھوں نے فوراً کہا۔

"سر کبیر خان نے ان کے قتل کو چھپانے کے لیے ڈاکٹر رازی سے جھوٹا سرٹیفکیٹ لیا۔"

"لیکن کیوں... انھیں ایسا کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی... کیا اس لیے کہ قاتل وہ خود تھے۔"

"یہ نہیں کہا جا سکتا... کیوں کہ ابھی تک ہم قاتل کو نہیں پہچان سکے۔"

"تو پھر... تمھارے پاس اس سوال کا جواب کیا ہے۔"

"اس صورت میں ان پر شک تو لازمی کیا جاتا... اور ان کی بدنامی بھی بہت ہوتی، لہٰذا انھوں نے اس قتل کو قدرتی موت میں تبدیل کرانے کی پوری کوشش کی اور اس کوشش میں وہ مکمل طور پر کامیاب رہے۔"

"بہت خوب! آگے چلو۔"

"اس معاملے میں ان کا راز دار گل خان تھا... وہ ایک مدت تک تو راز چھپائے رہا... پھر اس سے یہ راز چھپایا نہ گیا... اور اس نے راز ظاہر کرنے کا ارادہ کر لیا... اس کے ارادے کو اس نے بھانپ لیا... اس نے منع کیا... دھمکی وغیرہ دی... اس طرح گل خان کو اندازہ ہوا کہ کہیں وہ اسے قتل نہ کر دیں۔"

"تب پھر اس نے نقدی اور زیورات والا کاغذ کیوں لکھا۔"
انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"گل خان قاتل کا راز ظاہر کرنے لگا تو اسے ایک نئی پٹی پڑھائی کہ وہ سر کبیر خان کو ختم کر دے... اس طرح اس کی دولت میں گل خان برابر کا حصے دار بنے گا... اور وہ اس قتل کو ڈاکے کی واردات ثابت کرنے کے لیے ایک رقعہ لکھ دے، جب وہ رقعہ لکھ رہا تھا... قاتل نے اس وقت اس کا کام تمام کر دیا۔"

"ہوں... چلو خیر... یہاں تک تو کہانی ٹھیک ہے... آگے۔"

"آگے ہماری گاڑی ٹھپ ہو جاتی ہے... ویسے ہمارا خیال ہے کہ قاتل یا تو رضوان قدیر ہے یا پھر حکیم جان... زیادہ شک ہمیں حکیم جان پر ہے... کیوں کہ اس نے خفیہ طور سے ہماری گفتگو سننے کی کوشش بھی کی تھی۔"

"اوہو اچھا..." انسپکٹر جمشید حیران رہ گئے۔
"اب آپ بتائیں... ہماری کہانی میں کیا جھول ہے۔"

"رضوان قدیر کو کیوں اغوا کیا گیا۔"

"تاکہ رضوان قدیر پر شک ہو جائے... یا پھر اگر قاتل رضوان قدیر ہے تو وہ اس ڈرامے کے ذریعے اپنے آپ کو شک سے بچانا چاہتا ہو گا۔"

"ہوں! یہ بھی ہو سکتا ہے... خیر چھوڑو... دماغ کی چولیں ڈھیلی کرنے کی ضرورت نہیں... اکرام کی طرف ایک رپورٹ ملنے کی دیر ہے... پھر ہم اس کیس سے فارغ ہونے کی بات کریں گے... ہمیں اور بھی بہت کام ہیں۔"

"کیا کوئی اور کیس مل گیا ابا جان۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"بھئی کیس ملتے کیا دیر لگتی ہے... کیسوں کا اور ہمارا تو چولی دامن کا ساتھ ہے۔" انسپکٹر جمشید نے شوخ انداز میں کہا۔

"ہائیں ہائیں ابا جان... آج تو آپ ہمارے رنگ میں رنگے نظر آ رہے ہیں۔"

"تم جانتے ہی ہو... میری یہ حالت صرف اس وقت ہوتی ہے... جب میں قاتل کو پہچان لیتا ہوں اور قاتل کے گرد اپنا جال بن رہا ہوتا ہوں اور اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کر رہا ہوتا ہوں۔"

"ہاں! اب تو خیر ہے۔"

"تم خوب سمجھ کر قاتل کا نام بھی تجویز کر ہی دو... تاکہ مقابلے کا کوئی فیصلہ ہو سکے۔"

"اگر آپ کی کہانی کا اور ہماری کہانی کا قاتل ایک ہی

ہو... تو اس مقابلے کا فیصلہ کیسے ہو سکے گا۔"

"بہت سے مقابلے برابر بھی تو رہ جاتے ہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

وہ بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکے... اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی...

"آ گیا... تھا جس کا انتظار۔" فاروق گنگنایا۔

انسپکٹر جمشید نے فوراً ریسیور اٹھایا اور دوسری طرف کی بات سننے لگے... پھر پُرجوش انداز میں بولے:

"بہت خوب! یہ معلومات حاصل ہوئی ہیں۔"

"کیا ان معلومات نے آپ کی کہانی کی تصدیق کی ہے ابا جان۔" محمود نے بے چین ہو کر کہا۔

"ہاں بھئی... بالکل تصدیق کی ہے... آؤ چلیں... اور ہاں! جلدی سے قاتل کا نام سن لو... ورنہ پھر میں ساری کہانی سنانے والا ہوں۔"

"کیا ہمیں۔" محمود نے چونک کر پوچھا۔

"صرف تمہیں نہیں... باقی لوگوں کو بھی۔"

"اچھا اچھا... وہی پرانا طریقہ۔"

"ہاں! تم یہ بھی کر سکتے ہو۔"

وہ ان کے ساتھ باہر نکل آئے... اور گاڑی میں بیٹھ

کر روانہ ہوئے :

"ہم جا کہاں رہے ہیں ابّا جان۔"

"بس دیکھتے جاؤ۔" وہ بولے ۔

"گویا آپ یہ بات تک راز میں رکھیں گے کہ ہم اس وقت تک کہاں جا رہے ہیں۔" فاروق نے بُرا مان کر کہا۔

"اچھا خیر... سن لو... ہم غریب میاں سے ملنے جا رہے ہیں ۔"

"اوہ غریب میاں...! اسے تو ہم بھول ہی گئے... ہماری کہانی میں اس کا کوئی ذکر نہیں آیا۔"

"دوسری طرح ذکر آ گیا ہے نا بھئی ... یعنی یہ کہ رضوان قدیر کو اغوا کیا گیا... کہنا یہ چاہیے تھا کہ کرایا گیا... غریب میاں کے ذریعے ۔"

"اور اب آپ نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کی ہیں؟"

"ہاں! اس کی نگرانی کے کچھ نتائج سامنے آئے ہیں... اکرام نے بتایا ہے کہ غریب میاں حد درجے پُر اسرار آدمی ہے ... اور یہ کہ اس کا اس معاملے میں بہت بڑا حصّہ ہے... اصل مجرم کے لیے زیادہ کام غریب میاں نے انجام دیا ہے... اکرام کا کہنا یہ بھی ہے کہ وہ بہت پرانا

مجرم ہے... پہلے کسی اور نام سے مجرمانہ زندگی گزارتا رہا ہے، اب خود کو چھپائے ہوئے ہے اور غریب میاں بن گیا ہے، جب کہ پہلے اس کا نام امیر میاں تھا۔"

"اوہ... اس نے تو اپنا نام بالکل ہی الٹ رکھ لیا۔"

"خود کو چھپانے کے لیے کسی زمانے میں امیر میاں بہت دھڑلے والے مجرم تھے ... پولیس والے اس نام سے گھبراتے تھے ... انھوں نے کچھ بہت زبردست قسم کے جرم کیے تھے، اور پولیس انھیں پکڑنے میں بُری طرح ناکام رہی تھی... لہٰذا مشہور ہو گئے۔"

"اور اب اس نے اپنے نام کے ساتھ کیا اپنا حلیہ بھی تبدیل کر رکھا ہے۔"

"اپنے آپ کو چھپانے کے لیے یہ اس نے بالکل نیا طریقہ اختیار کیا ہے۔"

"اوہو اچھا... وہ کیا؟"

"وہ ہر ملاقاتی سے میک اپ میں بات کرتا ہے، اور اس کے جانے کے بعد اصل چہرے میں آ جاتا ہے... گھر میں اس کا یہی طریقہ ہے۔"

"اوہو اچھا... تو کیا... ہم نے بھی اسے میک اپ زدہ چہرے میں دیکھا تھا۔"

"ہاں بالکل۔"

"اور کیا اب ہم اسے اصل چہرے میں دیکھنے والے ہیں؟"

"نہیں... اس وقت تو ہم اسی چہرے میں اس سے ملاقات کریں گے... اس کا میک اپ نہیں اتاریں گے... لیکن آخری سین میں ایسا کرنا ہو گا۔"

آخر وہ ہیڈ کوارٹر میں داخل ہو گئے...

"یہ کیا ابا جان... ہم تو یہاں آ گئے۔"

"ہدف آج بھی یہیں تھا... اس لیے کہ غریب میاں کو گرفتار کر لیا گیا ہے اور یہاں لایا گیا ہے۔"

اسی وقت سامنے سے اکرام آتا نظر آیا... اس کے چہرے پر کامیابی کا جوش تھا...

"ابھی ہم نے اسے یہ نہیں بتایا کہ ہم اس کے اصل چہرے سے واقف ہو گئے ہیں۔"

"یہ تم نے بہت اچھا کیا... کچھ کہہ تو نہیں رہا۔"

"بار بار چلا رہا ہے کہ آخر اسے کیوں گرفتار کیا گیا ہے۔"

"آؤ... میں اسے بتا دیتا ہوں۔"

وہ حوالات کے سامنے آئے... اندر غریب میاں سلاخوں سے لگا ہوا تھا... انھیں دیکھ کر چلا اٹھا:

"آخر یہ سب کیا ہے... مجھے کیوں گرفتار کیا گیا ہے... میرا جرم بھی تو بتایا جائے۔"

"اکرام... انھیں جرم بتا دو۔"

"جناب! آپ نے رضوان قدیر کو اپنے آدمیوں کے ذریعے اغوا کرایا اور جنگل کی ایک عمارت میں قید رکھا۔"

"اس بات کا ثبوت؟"

"ثبوت ہمارے پاس ہے... اور ثبوت ہم عدالت میں پیش کریں گے... آپ کو اپنا وکیل کرنے کی کھلی اجازت ہے... تاکہ آپ یہ نہ کہہ سکیں کہ آپ کو آپ کا حق نہیں دیا گیا۔"

"بہت بہت شکریہ! مجھے اپنے وکیل سے بات کرنے کی اجازت دی جائے۔"

"آپ ضرور ان سے بات کر سکتے ہیں... انھیں فون بھی کر سکتے ہیں۔"

"تو دیں نا مجھے فون کا ریسیور... میں کتنا بے چین ہوں، انھیں فون کرنے کے لیے۔"

"اکرام... انھیں فون کا ریسیور دے دو۔"

"سر... یہ آپ کیا کر رہے ہیں... اس طرح تو اس کی ضمانت ہو جائے گی۔"

"وہ کیسے بھئی...؟"

"اس طرح کہ آپ فوری طور پر وہ ثبوت پیش نہیں کرنا چاہتے۔"

"پروا نہ کرو... تم فون کا ریسیور اسے دے دو۔"

اکرام نے حکم کی تعمیل کی اور پھر فون کا ریسیور اس کے حوالے کر کے نمبر اس سے پوچھا... اس نے بتایا:

"میرے وکیل کا نام شوئی کانگڑی والا ہے... نمبر ہے ۱۴۷۴۶۴۔"

اکرام نے نمبر ملائے... اور پھر سیٹ پر آواز گونجی:

"شوئی کانگڑی والا۔"

"بہت خوب... یہ بات کریں جی۔"

"ہیلو وکیل صاحب... غریب میاں بات کر رہا ہوں... پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا ہے... مجھے مارا پیٹا نہیں گیا، آپ فوراً آئیں اور میری ضمانت کا بندوبست کریں۔"

دوسری طرف کی بات سن کر اس نے ریسیور رکھ دیا:

"میرے وکیل آ رہے ہیں۔"

"آپ کے وکیل آپ کو ضمانت پر رہا نہیں کرا پائیں گے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں؟"

"دیکھ لیجیے گا۔" انھوں نے کہا۔

"آپ لوگ جا سکتے ہیں۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"سنا ہے... آپ بہت چھپے رستم رہے ہیں... آج سے پہلے آپ کبھی پکڑے نہیں گئے۔"

"ہاں! نہیں پکڑا گیا... اب بھی کچھ نہیں بگڑا... میں صاف بچ جاؤں گا۔"

"اپنے وکیل سے بات کیا کریں گے۔"

"یہ کہ مجھے بالکل بغیر کسی جرم کے گرفتار کیا گیا ہے، میں نے کسی کو اغوا نہیں کیا۔"

"جبکہ آپ نے اغوا کیا تھا... یہ ٹھیک ہے۔"

"نہیں... بالکل نہیں۔" اس نے پُرزور انداز میں کہا۔

"تب پھر پہلے یہ جواب سوچ لیں کہ آپ عدالت کو اپنا کون سا نام بتائیں گے۔"

"کیا کہا!!"

وہ زور سے چلّا اٹھا...

وہ کہاں ہے

اسے ہکا بکا چھوڑ کر وہ وہاں سے ہٹ آئے:

"اب جب کہ آپ نے اسے خبردار کر دیا ہے... وہ اپنا میک اپ اتار کر عدالت میں جائے گا۔"

"کوئی پروا نہیں... لیکن ایک بات بتاؤں... وہ میک اپ اتار کر عدالت میں نہیں جائے گا... کیوں کہ اس کے چہرے پر اس کے جرائم کی تفصیل لکھی ہے۔"

"اوہو... اچھا" وہ حیران رہ گئے... چکر ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا... ابھی وہ ہیڈ کوارٹر سے باہر نہیں آئے تھے کہ ایک لمبے قد کا آدمی وکیلوں کے لباس میں اندر داخل ہوا اور آتے ہی گرجا:

"آخر میرے مؤکل کو کیوں گرفتار کیا گیا ہے... ان پر کیا فردِ جرم ہے؟"

"ان پر بہت سارے آدمیوں کو اغوا کرنے کا الزام ہے۔"

"جب کہ اس بات کا ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔"

"ثبوت ہم عدالت میں پیش کریں گے... اور اگر آپ چاہیں گے تو پہلے بھی پیش کر دیں گا۔"

"ٹھیک ہے... پیش کریں۔"

"ابھی نہیں... تھوڑی دیر بعد... ہم آپ کو بلا لیں گے، اور سارا ثبوت آپ کی موجودگی میں پیش کریں گے۔"

"ٹھیک ہے... آپ انھیں رہا کر دیں... میں انھیں جہاں آپ کہیں گے، لے کر آ جاؤں گا۔"

"نہیں جناب... یہ معاملہ ناقابلِ ضمانت ہے۔"

"اچھی بات ہے... آپ کتنی دیر بعد مجھے بلائیں گے؟" اس نے بھنا کر کہا۔

"بس دو تین گھنٹے بعد۔"

وہ جلتا بھنتا چلا گیا... انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر غریب میاں کی طرف دیکھا اور پھر جانے کے لیے مڑے، اسی وقت فون کی گھنٹی بجی... انچارج نے ریسیور اٹھایا اور جلدی سے بولا:

"سر... آپ کا فون۔"

"یہاں... کمال ہے..." ان کے منہ سے نکلا اور پھر ریسیور لے لیا۔

"انسپکٹر جمشید بات کر رہا ہوں... فرمائیے... آپ کون؟"

"سیکرٹری اطلاعات... وجاہت علی خان۔"

"جی فرمائیے سر... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"آپ نے کسی غریب میاں کو گرفتار کیا ہے؟"

انسپکٹر جمشید کا دل زور سے دھڑکا... انھوں نے خود پر قابو پا کر کہا:

"ہاں سر... کیا تو ہے۔"

"وہ غریب آدمی ہے... مجرم نہیں ہے... آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے... میں اس کی سفارش کرتا ہوں اور ضمانت لیتا ہوں... اسے فوری طور پر چھوڑ دیا جائے۔"

"سر آپ نے کیا فرمایا... آپ اس کی ضمانت دیتے ہیں۔" انھوں نے کہا۔

"ہاں! میں ہر طرح اس کی ضمانت لیتا ہوں۔"

"سر! اگر وہ مجرم ثابت ہوا تو کیا آپ اسے گرفتاری کے لیے پیش کر دیں گے۔"

"ہاں بالکل۔"

"سر! آپ اس سلسلے میں ایک تحریر بھیج دیں۔"

"کیا مطلب... کیا میرا فون کافی نہیں؟"

"ہو سکتا ہے سر... دوسری طرف کوئی شخص آپ کی آواز میں بات کر رہا ہو... اور میں دھوکا کھا کر غریب میاں کو رہا کر دوں۔"

"نہیں! یہ میں ہی ہوں۔"

"اس بات کا آپ کوئی ثبوت فون پر پیش نہیں کر سکتے سر... لہذا آپ تحریر ارسال فرمائیں۔"

"اچھی بات ہے... تحریر مل جائے گی... تھوڑی دیر بعد یہیں بھیج رہا ہوں۔"

"ٹھیک ہے سر... میں یہیں موجود ہوں۔" اس نے کہا۔

وہ بیٹھے انتظار کرتے رہے... لیکن کوئی شخص سیکرٹری صاحب کی تحریر لے کر وہاں نہ آیا... آخر انھوں نے سیکرٹری صاحب کو خود فون کیا

"سر... آپ نے تحریر ارسال نہیں کی۔"

"کون سی تحریر..." دوسری طرف سے کہا گیا۔

"سر! ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ نے فون پر غریب میاں کے بارے میں بات کی تھی۔"

"غریب میاں... کون غریب میاں۔" دوسری طرف سے حیران ہو کر کہا گیا۔

"شاید پھر وہ کوئی دھوکے باز تھا... جو آپ کی آواز میں بات کر رہا تھا۔" انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہا۔

"پتا نہیں... کیا معاملہ ہے... میں کچھ نہیں جانتا۔" دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

"یہ حضرت تحریر نہیں بھیجیں گے۔"

"کمال ہے... آپ نے بہت آسانی سے پیچھا چھڑا لیا ان سے۔"

"اب ہمیں غریب میاں کو یہاں سے خفیہ جگہ پہنچا دینا چاہیے اور خود بھی ادھر ادھر ہو جانا چاہیے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔"

اسی وقت فون کی گھنٹی پھر بجی:

"آؤ بھئی چلیں... کہیں یہ بھی کسی سفارشی کا فون نہ ہو۔" انسپکٹر جمشید گھبرا کر بولے۔

"لیکن ابا جان... غریب میاں کو بھی تو یہاں سے لے جانا پڑے گا۔"

"اوہ ہاں! نکالو بھئی اسے باہر۔"

اسی وقت فون سننے والے نے کہا:

"سر... یہ تو اپنے آئی جی صاحب ہیں... آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"

"ارے باپ رے..." وہ گھبرا گئے اور ریسیور لے لیا۔

"جمشید... یہ غریب میاں کا کیا چکر ہے۔"

"تو آپ تک سفارشیں پہنچ گئیں۔"

"مجھے نہیں معلوم... چکر کیا ہے... میں تو بس اتنا جانتا ہوں کہ غریب میاں کی پارٹی کے لیے مجھے بہت بڑے بڑے آدمیوں نے کہا ہے۔"

"آپ کا حکم کیا ہے سر۔"

"ہاں! بس چھوڑ دو... ورنہ بہت الجھنیں مول لینا پڑیں گی..."

"لیکن سر... اس پر ایک سنگین جرم کا الزام ہے۔"

"الزام ہی ہے نا... ابھی جرم ثابت تو نہیں ہوا۔"

"جرم تو الزام سے بھی پہلے ثابت ہو چکا ہے۔"

"اچھا... ذرا مجھے تفصیل تو بتانا۔"

انھوں نے تفصیل سنا دی... وہ بہت حیران ہوئے، اور بولے:

"عجیب بات ہے... آخر ایسے آدمی کے اتنے بڑے بڑے آدمی سفارش کیوں کر رہے ہیں... بلکہ جمشید وہ لوگ سفارش نہیں کر رہے... حکم دے رہے ہیں کہ ہر حال میں اسے چھوڑ دیا جائے۔"

"سر... میں اسے چھوڑ رہا ہوں... آپ انھیں اطلاع دے دیں۔"

"بہت بہت شکریہ جمشید... تم نے میری مشکل دور کر دی۔"

"مشکل دور کرنے والا تو صرف اللہ ہے سر۔"

"ہاں واقعی... میں نے غلط جملہ کہہ دیا... مجھے کہنا چاہیے تھا کہ اللہ کی مہربانی سے تم نے میری یہ بات مان لی۔"

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"

ریسیور رکھ کر وہ عملے کی طرف مڑے...

"اسے حوالات سے نکال کر میری گاڑی کے پچھلے حصے میں بٹھا دو اور دروازے لاک کر دو۔" انھوں نے سرد آواز میں کہا۔

"تو کیا آپ اسے نہیں چھوڑیں گے سر۔" اکرام نے حیران ہو کر کہا۔

"بالکل چھوڑوں گا... لیکن میں صرف غریب میاں کو چھوڑوں گا۔"

"یہ کیا بات ہوئی..." ہیڈ کوارٹر کے انچارج نے کہا۔

"بس دیکھتے جاؤ۔"

وہ غریب میاں کو لے کر وہاں سے روانہ ہوئے،

اور اپنی خفیہ عمارت میں آئے... اور غریب میاں کو ایک کمرے میں بند کیا... اور باہر نکل ہی رہے تھے کہ دور سے کئی بڑی گاڑیاں آتی نظر آئیں... وہ حیرت بھری نظروں سے ان کی طرف دیکھنے لگے... کیوں کہ اس طرف ان کو اپنے تعاقب کیے جانے کا خیال تک نہیں آیا تھا... اور پھر گاڑیاں اس عمارت کے سامنے آکر رک گئیں... اب جو لوگ گاڑیوں سے اترے... انھیں دیکھ کر وہ اور بھی حیران ہوئے... وہ سب بڑے بڑے سرکاری افسر تھے...

"خیریت تو ہے صاحبان۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"آپ قانون کو اپنے ہاتھ میں لینے لگ گئے ہیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس شخص کو رہا کرنے کا وعدہ آپ آئی جی صاحب سے کر چکے ہیں... اسے بھی یہاں قید کر رکھا ہے آپ نے... اگر یہ بات نہیں ہے تو آپ ہمیں تلاشی لینے دیں... ہم اس آدمی کو یہاں سے برآمد کریں گے... ہم اپنے ساتھ اخباری رپورٹرز کی ایک ٹیم بھی لے کر آئے ہیں۔"

"اوہ تو یہ بات ہے... آپ کیا کہتے ہیں... میں نے یہاں کس کو لا کر رکھا ہے..." انسپکٹر جمشید پرسکون

آواز میں بولے۔

"غریب میاں کو۔"

"لیکن میرا دعویٰ ہے کہ ہم نے اندر غریب میاں کو قید نہیں کر رکھا۔"

"یہ بالکل جھوٹ ہے اور ہم آپ کا جھوٹ غریب میاں کو برآمد کر کے ثابت کر دیں گے۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں... آپ لوگ عمارت کی تلاشی لے سکتے ہیں۔"

"بہت خوب... آؤ دوستو۔"

وہ سب اندر کی طرف بڑھے... انسپکٹر جمشید ان کے ساتھ وہیں کھڑے رہ گئے...

"آپ ہمارے ساتھ نہیں چلیں گے۔" ایک آفیسر نے طنزیہ پوچھا۔

"نہیں... آپ اپنا اطمینان کر لیں۔"

وہ سب اندر چلے گئے... بیس منٹ بعد سب کے سب منہ لٹکائے باہر نکلے:

"کیوں... کیا رہا۔"

"یہ کوئی چکر ہے... اس عمارت میں ضرور کوئی خفیہ جگہ ہے... غریب میاں کو اس خفیہ جگہ میں رکھا گیا

ہے... ورنہ ہمارے جاسوسوں کی اطلاع یہی ہے کہ غریب میاں اس عمارت میں پہنچ گئے ہیں۔"

"آپ اپنا پوری طرح اطمینان کر لیں۔"

"کیوں نہ کسی انجینئر کی خدمات حاصل کی جائیں۔" ان میں سے ایک نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔

"بہت اچھی بات ہے... ہم ایسا ضرور کریں گے۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں... آپ لوگ جا کر انجینئروں کی ایک ٹیم کو لے آئیں۔"

"ہم سب نہیں جائیں گے... کچھ یہاں بھی رکیں گے۔"

"ضرور... کیوں نہیں... آؤ بھئی... ہم اندر آرام کریں... جب آپ لوگ انجینئرز کو لے آئیں... اس وقت آواز دے لیجیے گا۔"

ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا... زیادہ تر چلے گئے... کچھ جاسوس قسم کے لوگ وہیں کھڑے رہ گئے... وہ اندر آ گئے... اور اپنے کام میں مصروف ہو گئے... ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا:

"اب اس کہانی کو یہیں ختم کرنا پڑے گا۔"

"اس کا مطلب ہے... آپ باقی لوگوں کو بھی یہیں بلائیں گے۔"

"ہاں! اور کیا کروں... یہ لوگ تو بہت شور مچائیں گے، اگر انھوں نے غریب میاں کو یہاں سے نکال لیا۔"

"لیکن وہ نکال کیسے سکتے ہیں... جب کہ..." فاروق کہتے کہتے رک گیا۔

"وہ سب ٹھیک ہے... لیکن میں چاہتا ہوں... ان سب لوگوں کے سامنے اس کیس کی تفصیلات سنا دی جائیں تاکہ کوئی غریب میاں کی سفارش بھی نہ کرے۔"

"چلیے پھر کریں فون کرنا شروع۔"

وہ ایک ایک آدمی کو فون کرنے لگے... دوسری طرف محمود، فاروق اور فرزانہ دوسرے انتظامات میں مصروف تھے... آخر باہر شور سنائی دیا:

"انسپکٹر جمشید... باہر نکلیے... ماہرین آ گئے ہیں... اب وہ عمارت کی تلاشی لیں گے۔"

آوازیں سن کر وہ باہر نکل آئے... اب انسپکٹر جمشید کے چہرے پر اور بھی گہری مسکراہٹ تھی:

"حضرات مجھے کوئی اعتراض نہیں... آپ شوق سے عمارت کی تلاشی لیں... اس کو خوب ٹھوک بجا کر دیکھیں لیکن میری بھی ایک درخواست ہے۔"

"درخواست... کیسی درخواست... ان حالات میں آپ

کی کوئی درخواست نہیں سنی جائے گی۔"

"حضرات سننے میں کیا حرج ہے۔" انسپکٹر جمشید نے بلند آواز میں کہا۔

"اچھا... خیر... سنایئے۔"

"حضرات... آپ لوگ اپنے انجینئرز کو لے آئے ہیں، میں نے بھی اپنے چند دوستوں کو بلایا ہے... مہربانی فرما کر انھیں بھی آ لینے دیں۔"

"وہ آ کر کیا کر لیں گے... کیا وہ آپ کو حبسِ بے جا کے الزام سے بچا لیں گے... یہ نہیں ہو سکے گا... انسپکٹر جمشید صاحب... آپ کو اس جرم کے سلسلے میں سلاخوں کے پیچھے جانا پڑے گا۔"

"جی بہت بہتر... اگر میں نے کوئی جرم کیا ہے... تو میں ضرور سلاخوں کے پیچھے جاؤں گا... بس چند منٹ اور صبر کر لیں۔"

"اچھی بات ہے... ہم انتظار کر لیتے ہیں۔"

"کہیں عمارت کے اندر کوئی چکر نہ چل رہا ہو اور اس دوران غریب میاں کو ادھر ادھر کرنے کی کوشش نہ کی جا رہی ہو۔" کسی نے کہا۔

"عمارت آپ لوگوں کے گھیرے میں ہے... اور پھر بھی

آپ ایسی باتیں کر رہے ہیں۔"

"کیسی باتیں... ہم غلط نہیں کہ رہے... ہو سکتا ہے... کسی سرنگ کے ذریعے غریب میاں کو دور پہنچایا جا رہا ہو، اور اسی لیے مہلت مانگی جا رہی ہو۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے... آپ لوگ بہت زیادہ شک کر رہے ہیں... اگر آپ نہیں رک سکتے تو عمارت میں داخل ہو جائیں اور غریب میاں کو تلاش کر لیں... ہم باہر اپنے مہمانوں کا انتظار کریں گے۔"

"ٹھیک ہے... ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔"

انجینئرز اندر گھس گئے... ان کے ساتھ کچھ دوسرے بھی... وہ باہر رہ گئے... اور پھر سب سے پہلے خان رحمان اور پروفیسر داؤد وہاں پہنچے... پھر ایک ایک کر کے دوسرے آنے لگے... آنے والوں میں سر کبیر خان، رضوان قدیر، شومی اخبار کا ایڈیٹر... حکیم جان وغیرہ سبھی لوگ شامل تھے:

"یہ سب کیا چکر ہے جمشید۔" خان رحمان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ابھی کچھ لوگ باہر نکلیں گے... ان کے نکلنے کے بعد میں اپنا بیان شروع کروں گا۔"

"اوہو اچھا۔" پروفیسر داؤد حیران تھے... وہ تو کسی حد تک حالات سے باخبر تھے نا... خان رحمان اس معاملے میں پہلی بار شریک ہو رہے تھے...

آخر انجینئرز بھی باہر آ گئے... ان کے منہ بھی لٹکے ہوئے تھے:

"عمارت میں کوئی شخص قید نہیں ہے۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے جناب... ہمارے جاسوسوں نے خود غریب میاں کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا ہے... ہم کچھ فاصلے پر تھے... اس لیے خود نہیں دیکھ سکے۔"

"اگر یہ بات ہے، تو پھر یہ عمارت ہماری سمجھ سے باہر ہے۔"

"حضرات... آپ لوگ آپس میں نہ جھگڑیں... آپ کا مسئلہ میں حل کر دیتا ہوں۔" انسپکٹر جمشید نے ڈرامائی انداز میں کہا۔

"جلدی بتائیں... کیا بات ہے؟"

"میں اندر سے غریب میاں کو لے آتا ہوں۔"

"کیا!!!" وہ ایک ساتھ چلائے۔

ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے... اوپر کے سانس اوپر اور نیچے کے نیچے رہ گئے...

کہانی مکمل ہوتی ہے

"میں نے غلط نہیں کہا جناب... میں واقعی غریب میاں کو آپ کے سامنے پیش کر سکتا ہوں... لیکن آپ ایسا نہیں کر سکے... اب اگر میں خاموش رہتا تو آپ، سب یہاں سے ناکام ہو کر چلے جاتے نا... لیکن میں نے ایسا کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔"

"آخر یہ چکر کیا ہے... آپ کو تو آئی جی صاحب نے حکم دیا تھا کہ غریب میاں کو چھوڑ دیں۔"

"ہاں! ان کا حکم یہی تھا... لیکن بعض حالات میں میرے پاس ایسے اختیارات ہیں کہ میں ان کا حکم کبھی چاہوں تو نہ مانوں... لیکن میں نے ان کے احترام میں یہی کہا تھا کہ اسے چھوڑ رہا ہوں... بہرحال آئی جی صاحب بھی ابھی تشریف لاتے ہوں گے... میں نے انھیں بھی فون کیا تھا..." انسپکٹر جمشید نے جلدی جلدی کہا۔

"یہ لیجیے... وہ آ گئے۔"

انھوں نے دیکھا... آئی جی صاحب کی سفید کار وہاں آ کر رکی تھی اور وہ کار سے اتر کر ان کی طرف بڑھنے لگے...

"یہاں تو میلے کا سماں ہے... جمشید نے اتنے آدمی جمع کر ڈالے۔"

"انھوں نے آپ کے حکم کی خلاف ورزی کی ہے... غریب میاں کو اس عمارت میں لا کر قید کر دیا ہے۔" کسی نے بھنا کر کہا۔

"اوہو اچھا... جمشید... کیا یہ سچ ہے۔"

"یس سر۔"

"لیکن میں نے تمھیں حکم دیا تھا۔" وہ بولے۔

"یس سر... لیکن مجھے بہت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ میں وہ حکم ماننے کی پوزیشن میں نہیں تھا، غریب میاں کو نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

"ایسا کیوں ہے... آخر غریب میاں میں ایسی کیا بات ہے۔"

"سر! یہاں اتنے لوگوں کو جمع ہی اسی لیے کیا گیا ہے کہ ساری کہانی انھیں سنا دی جائے... غریب میاں کی امیر کہانی۔"

"امیر کہانی... بھئی... یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔"

"دھت تیرے کی... نہ موقع دیکھتے ہیں نہ محل۔" محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

"خاموش رہو بھئی..." فرزانہ نے برا سا منہ بنایا۔

"اچھا جمشید... پھر شروع کرو اپنی کہانی۔"

"پہلے سب لوگ اندر چل کر تشریف رکھیں... اس کے بعد میں یہ کہانی سنانا شروع کروں گا۔"

"ہوں! ٹھیک ہے۔"

وہ سب عمارت کے ہال میں آ گئے... یہاں کرسیاں موجود تھیں... وہ سب جلدی جلدی بیٹھنے لگے... اور آخر سب بیٹھ گئے...

"اپنی بات شروع کرنے سے پہلے میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ سب لوگوں کا غریب میاں سے کیا تعلق ہے..." انسپکٹر جمشید کی آواز گونجی۔

وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے... ان سے کوئی جواب نہ جڑ سکا...

"بتائیے... آپ لوگوں کی غریب میاں سے کیا رشتے داری ہے... کیا تعلق ہے... آپ سب آخر غریب میاں کے سفارشی کیوں ہیں۔"

"آپ اس بات کو چھوڑیں... اور غریب میاں کو سامنے لائیں۔" ان میں سے ایک نے جھنجھلا کر کہا۔

"گویا آپ کچھ بتانا نہیں چاہتے۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"نہیں! ہمیں کچھ بتانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔"

"اچھی بات ہے... محمود... تم ذرا اندر سے غریب میاں کو لے آؤ۔"

"کہاں سے... اندر تو ہم ہر طرح تلاشی لے چکے ہیں۔"

"یہ عمارت ہماری ہے... اس سے ہم زیادہ واقف ہیں۔" محمود بولا اور فاروق کو ساتھ لے کر باہر نکل گیا... جلد ہی دونوں غریب میاں کو ساتھ لیے اندر آئے:

"دیکھ لیا شیخ صاحب... یہ بے چارہ اس عمارت میں قید تھا... اسے حبسِ بے جا میں رکھا گیا... جب کہ آپ نے حکم دیا تھا کہ اسے رہا کر دیا جائے۔"

"ہاں! میں دیکھ چکا ہوں... آپ فکر نہ کریں... پورا انصاف کیا جائے گا... انسپکٹر جمشید نے اگر قانون کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے... تو ان کے خلاف بھی کارروائی ہو گی۔" آئی جی صاحب نے کہا۔

"بہت خوب! اب ہم انسپکٹر جمشید کی بات سن سکتے ہیں۔"

"پہلے میں تعارف کرا دوں... تاکہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی رہے... یہ سر کبیر خان ہیں... ہمارے شہر کے بہت بڑے زمین دار ہیں... یہ رضوان قدیر ہیں... ان کے بھانجے... اور ان کی جائداد کے وارث... یہ حکیم جان ہیں... یہ بھی سر کبیر خان کے رشتے دار ہیں... اگر کسی وجہ سے ان کی جائداد رضوان قدیر صاحب کو نہ مل سکے تو پھر انھیں ملے گی... کیوں کہ سر کبیر خان کی اپنی کوئی اولاد نہیں ہے... یہ مسٹر شومی ہیں... غریب میاں کے وکیل اور یہ غریب میاں ہیں... جن کے لیے آپ لوگ یہاں آئے ہیں... میں نے ڈاکٹر رازی صاحب کو بھی فون کیا تھا... ان کے گھر سے جواب ملا کہ کسی مریض کو دیکھنے گئے ہیں... وہ بھی تھوڑی دیر تک آ جائیں گے... یہ تھا تعارف، اب میں کہانی شروع کرتا ہوں... آج سے بیس پچیس سال پہلے سر کبیر خان کے والد کو کسی نے زہر دے کر قتل کر دیا... اس سے پہلے کہ پولیس اس کیس کی تفتیش کرتی... سر کبیر خان نے ڈاکٹر رازی سے سرٹیفکیٹ حاصل کر لیا کہ ان کی موت قدرتی ہوئی ہے... ڈاکٹر رازی اس وقت کے بڑے ڈاکٹر تھے... ان کے

سرٹیفکیٹ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا تھا، لہٰذا یہ معاملہ تو
گیا دب... لیکن لوگوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ ڈاکٹر
رازی نے غلط سرٹیفکیٹ دیا ہے اور یہ کہ موت زہر
سے واقع ہوئی تھی... یہ باتیں مشہور ضرور ہوئیں...
لیکن قانونی کارروائی ان کے خلاف کوئی نہ ہو سکی...
بیس پچیس سال گزرنے کے بعد مجھے اب ایک خط ملا،
وہ خط بہت عجیب تھا... میں آپ کو وہ خط پڑھ کر
سناتا ہوں..." یہ کہہ کر انھوں نے خط سنانا شروع کیا،
پھر خط ختم کرنے کے بعد بولے:

"ظاہر ہے، اس خط کے ملنے کے بعد میں سرکبیر خان کے
ہاں ہی جا سکتا تھا... میں نے ان سے ملاقات کی...
حالات کا جائزہ لیا... یہاں میری ملاقات گل خان
سے بھی ہوئی... اس کے بارے میں پتا چلا، اس گھر
کا سب سے پرانا اور وفادار ملازم ہے اور بچپن سے
اس گھر میں ملازم ہے... بلکہ اس کے والد بھی اس
گھر کے ملازم تھے... جب ہم نے اس کے ہاتھ کی
تحریر حاصل کی تو یہ حیرت انگیز بات معلوم ہوئی کہ
اس خط کی تحریر گل خان کی تحریر سے بالکل ملتی جلتی
ہے... ہم نے تحریر کے ماہر سے دونوں تحریروں کو

چیک کرایا تو اس کی رپورٹ بھی یہی تھی کہ خط گل
خان نے ہی لکھا ہے... یہ بات ہمارے لیے بہت
حیران کن تھی... ہم نے گل خان کو نظر میں رکھنے کا فیصلہ
کر لیا... ہمارے ذہنوں میں سوال یہ گونج رہا تھا کہ
قتل کون ہونے والا ہے... حالات کا جائزہ لینے کے
بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ قتل اگر کیا جائے گا تو
سرکبیر خان کو... کیوں کہ ان کے قتل سے کچھ لوگوں
کو بہت بڑا مالی فائدہ ہو سکتا تھا... اس سلسلے میں
ہم نے مختلف لوگوں سے ملاقاتیں کیں... ان سب نے یہی
خیال ظاہر کیا کہ سرکبیر خان کے والد کو قتل کیا گیا
تھا... یہاں تک کہ ہم نے ڈاکٹر رازی سے بھی بات
کی... انھوں نے اس بات کو تسلیم کیا کہ انھوں نے
غلط سرٹیفکیٹ دیا تھا اور یہ کہ ایسا انھوں نے دولت
کے لالچ میں کیا... انھوں نے یہ بھی کہا کہ اب وہ
اپنے جرم کی سزا بھگتنے کے لیے تیار ہیں... لیکن اب
میں اس عمر میں انھیں کیا گرفتار کرتا... میں خاموشی
سے چلا آیا..."

ادھر اس دوران رضوان قدیر کو اغوا کر لیا گیا...
انھیں پورے شہر میں تلاش کیا گیا، لیکن فوری طور پر

ان کا کوئی پتا نہ چل سکا... ہم اس الجھن میں مبتلا ہو
گئے کہ کیا یہ قتل رضوان قدیر نے کیا ہے اور اسی لیے
اس نے خود کو غائب کرایا ہے... یا پھر قاتل نے
رضوان قدیر کو اغوا کیا ہے... تاکہ ہم رضوان قدیر پر
شک کریں... پھر جب رضوان قدیر ملے تو ایک جنگل
میں واقع عمارت میں قید ملے... ہم ان سے ملنے وہاں
پہنچے... کسی نے جنگل میں آگ لگا دی اور ہم سب
کو قتل کرنے کی کوشش کی... بڑی مشکل سے ہم آگ
کے دائرے سے نکل سکے... پھر بھی ہم پر حملہ کیا گیا،
فائرنگ کی گئی... اس وقت بھی سخت مقابلہ کرنا پڑا،
آخر ہم حملہ آوروں کے ذریعے اس شخص تک پہنچ گئے
جس نے رضوان قدیر کو اغوا کرایا تھا... اور ان
صاحب کا نام ہے غریب میاں۔"

"کیا!!!" کئی آوازیں ابھریں۔

"جی ہاں! رضوان قدیر کو اغوا غریب میاں نے کرایا
تھا... سوال یہ ہے کہ کیوں کرایا تھا... اس سوال کا
جواب غریب میاں اس وقت دے سکتے ہیں جب وہ
یہ بات مانیں کہ یہ جرم انھوں نے کرایا ہوتا... لیکن
وہ اس بات سے انکاری ہیں... ان کا کہنا ہے کہ

اغوا انھوں نے نہیں کرایا تھا..." یہاں تک کہہ کر انسپکٹر جمشید
خاموش ہو گئے۔

"بس! یہ کیا کہانی ہوئی... اس کہانی سے یہ تو پتا چلا ہی
نہیں کہ قاتل کون ہے اور اس نے قتل کیوں کیا... دوسرے
یہ کہ غریب میاں اگر خود نہیں بتاتے تو آپ بتا دیں کہ
انھوں نے یہ جرم کیوں کیا تھا۔" کسی نے جھلا کر کہا۔

"اس جرم نے ہمیں بہت چکرایا... اصل الجھن یہ تھی
کہ گل خان نے وہ خط کیوں لکھا تھا... اگر اسے معلوم
تھا کہ خود اس کا قتل ہونے والا ہے تو پھر تو اسے
یہ بات ہمیں بتا دینی چاہیے تھی... آخر سوچ سوچ
کر ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ اسے یہ بات معلوم نہیں تھی
لیکن اسے یہ بات معلوم ہوئی تھی... کہ سر کبیر خان
کا قتل ہونے والا ہے... اور وہ ایسا نہیں چاہتا تھا،
لہٰذا اس قتل کو روکنے کے لیے ہی اس نے ہمیں خط
لکھا تھا... اب سوال یہ ہے کہ پھر سر کبیر خان کی
جگہ اسے کیوں قتل کیا گیا... دوسرے یہ کہ گل خان کی
مٹھی میں جو چٹ ہمیں ملی... اس پر یہ لکھا تھا کہ ساری
نقدی اور زیورات نیچے پھینک دو... اس وقت سب لوگ
باہر موجود ہیں... اور اس خوف میں مبتلا ہیں کہ کسی

کو قتل کیا جانے والا ہے... عجیب ترین بات یہ تھی کہ یہ تحریر بھی خود گل خان کے ہاتھ کی تھی... کیا گل خان تحریر لکھ کر خود کو ہی یہ حکم دے رہا تھا... اس بات نے بہت الجھن پیدا کی... اس سے عجیب بات اور کوئی ہو بھی نہیں سکتی... کیا آپ حضرات میں سے کوئی اس بات کا جواب دے سکتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے اور سب پر ایک نظر ڈالی... لیکن وہاں کسی کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا... وہ تو حیرت زدہ سے اس کہانی کو سُن رہے تھے...

"خیر... میں ہی وضاحت کیے دیتا ہوں... لیکن اس سے پہلے بھی یہ وضاحت چاہوں گا کہ غریب میاں اتنے بڑے بڑے لوگوں کو آخر عزیز کیوں ہے... کیا آپ سب کی کوئی کمزوری اس کے ہاتھ میں ہے؟"

"ن... نہیں... نہیں..." وہ سب بول اٹھے۔

"پھر آخر... آپ کو ایک مجرم کو بچانا چاہتے ہیں۔"

"ہمیں تو اب تک یہی یقین دلایا گیا ہے کہ غریب میاں مجرم نہیں ہے... اسے زبردستی پھانسا جا رہا ہے۔"

"اس کا مطلب ہے... غریب میاں کا کوئی اور سفارشی

ہے... اس کا آپ لوگوں پر کوئی دباؤ ہے... یہی بات ہے نا..."

ان کے سر جھک گئے... منہ سے کسی کے ایک لفظ نہ نکل سکا...

"ہوں! ضرور یہی بات ہے... سوال یہ ہے کہ وہ کون صاحب ہیں۔"

انھوں نے اپنے ہونٹ مضبوطی سے بھینچ لیے، گویا وہ یہ بات بتانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے تھے...

"بہت خوب! آپ کچھ نہیں بتائیں گے... یہی بات ہے نا۔"

وہ اب بھی خاموش رہے... پھر انسپکٹر جمشید نے مسکرا کر کہنا شروع کیا:

"میں اپنی کہانی ضرور مکمل کروں گا... اس وقت تک یہ بات ثابت ہوئی ہے... کہ سر کبیر خان کے والد کو سر کبیر خان نے قتل کیا تھا۔"

"ن... نہیں... یہ غلط ہے... بالکل غلط ہے۔"

"خان صاحب... اگر یہ غلط ہے... تو پھر یہ بتا دیں' درست کیا ہے... آپ کے والد کو کس نے قتل کیا تھا۔"

"میں نہیں جانتا... وہ کون ہے... لیکن اس نے

مجھے ایسے ثبوت بھیجے تھے... کہ ان کی موجودگی میں میں پھانسی پا سکتا تھا... زہر کی ایک شیشی کی تصویر جس پر میری انگلیوں کے نشانات تھے... اور پھر اس نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا... وہ اب تک ہر ماہ مجھ سے رقم وصول کرتا رہا ہے۔"

"لیکن کس طرح..."

"رقم میں ایک خاص جگہ رکھ آتا ہوں... وہ بعد میں اٹھا لیتا ہے۔"

"اور آپ نے کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ رقم کون اٹھانے آتا ہے۔"

"نہیں... اس نے دھمکی دی تھی کہ اس کے بارے میں جاننے کی کوشش بھی کی تو ثبوت پولیس کو دے دیا جائے گا۔"

"آخر آپ کی انگلی کا نشان زہر کی اس شیشی پر کس طرح بن گیا۔"

"یہ بات آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"آج آ جائے گی... فکر نہ کریں۔" وہ مسکرائے۔

"کیا مطلب؟"

"آپ کو اپنے والد کی موت کا سرٹیفکیٹ لینے کی کیا

ضرورت پیش آ گئی تھی۔"

"جب مجھے اپنے والد حویلی میں مردہ ملے تو اسی وقت فون موصول ہوا اور ایک لفافہ بھی دروازے کے اندر پڑا ملا... فون پر کسی نے کہا کہ آپ کے والد کو زہر کے ذریعے ہلاک کیا گیا... اور یہ جرم آپ نے کیا ہے... اس کا ثبوت میرے پاس موجود ہے... ثبوت اس لفافے میں آپ بھی دیکھ لیں... میں نے لفافہ کھولا تو اس میں زہر کی شیشی کی تصویر تھی اور اس پر میری انگلی کا نشان صاف تھا... میں دھک سے رہ گیا... اس نے فون پر بتایا کہ اس جرم سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ میں کسی ڈاکٹر سے ان کے قدرتی موت کا سرٹیفکیٹ لے لوں... تاکہ دیکھنے والے جو شک کی نظروں سے لاش کو دیکھ رہے ہیں... خاموش ہو جائیں... میں فوراً ڈاکٹر رازی کے پاس دوڑا گیا... اور..."

"ایک منٹ جناب! آپ ڈاکٹر رازی کے پاس ہی کیوں دوڑے گئے۔"

"وہ ہمارے فیملی ڈاکٹر تھے... اور کس کے پاس جاتا۔" انھوں نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"بہت خوب! تو یہ بات تھی۔"

"ہاں جناب! ڈاکٹر رازی نے ایک بڑی رقم کے بدلے سرٹیفکیٹ لکھ دیا... اس طرح والد کی لاش کو دفن کر دیا گیا... اور مجرم نے مجھے بلیک میل کرنا شروع کر دیا... میں بلاوجہ اس کے چکر میں آ گیا... بس میں ڈر گیا کہ پولیس کو ساری بات بتائی تو وہ مجھے ضرور گرفتار کرے گی اور میں جھوٹ بول کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔" سرکبیر خان کہتے چلے گئے۔

"ہوں! آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"اب سنیں... مجرم نے یہ کام... یعنی آپ کے والد کو زہر دینے کا کام دراصل گل خان کے ذریعے لیا تھا.... اس نے اس سے بھی یہ کام دھوکے سے لیا تھا... اور اس کے خلاف بھی ثبوت حاصل کر لیا تھا... اس طرح انگلی کا نشان... حاصل کر لیا تھا... لہٰذا وہ رقم بھی گل خان کے ذریعے اٹھواتا رہا... اور اس سے خود وصول کرتا رہا... اب آکر اس نے سرکبیر خان کو ٹھکانے لگانے کا یہ پروگرام بنایا... تاکہ اس کی جگہ رضوان قدیر کو قربانی کا بکرا بنائے... اور اس کی وجہ یہ تھی کہ سرکبیر خان اس بلیک میلنگ سے حد درجے تنگ آ گئے تھے اور انھوں نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا،

کہ اب وہ مزید رقوم ادا نہیں کریں گے... وہ راز پولیس کے حوالے کرتا ہے تو کر دے... مجرم نے یہ نہیں کیا... بلکہ اس نے ایک نیا منصوبہ بنایا کہ اب سرکبیر خان کو ختم کر دے، تاکہ اس کی دولت کا مالک رضوان قدیر بن جائے اور رضوان قدیر اس کی بلیک میلنگ کے جال میں پھنس جائے، اس نے یہ کام پھر گل خان کے ذریعے لینا چاہا... گل خان نے گھبرا کر مجھے خط لکھ دیا... اس سے پہلے مجرم اس سے وہ تحریر لکھوا چکا تھا کہ نقدی اور زیورات کھڑکی سے باہر پھینک دو... اس نے گل خان کو یہ کہ کر یہ تحریر لکھوائی تھی کہ اس طرح معاملہ بہت الجھ جائے گا اور کوئی گل خان پر شک نہیں کر سکے گا... یہی خیال کرے گا کہ سرکبیر خان کو قتل کرانے والے نے ہی نقدی اور زیورات اڑائے ہیں... کاغذ کا وہ پرزہ اس نے سرکبیر خان کی لاش کے ہاتھ میں دینا تھا... لیکن اسے معلوم نہیں تھا کہ خود اس کی موت کا پروگرام قاتل نے بنا لیا ہے... کیوں کہ وہ اس کا راز کھولنے پر تل گیا تھا... اور ہمیں خط لکھ چکا تھا... عین وقت پر وہ اعلان کرتا کہ کون اس سے کیا کام لینا چاہتا ہے... قاتل بھی بھانپ چکا تھا، لہٰذا اس نے پہلے گل خان کو ٹھکانے لگانے کا پروگرام

بنایا... اور اس پر عمل کر گزرا... یہ ہے کل کہانی۔"

"لیکن آپ نے قاتل کا نام تو بتایا ہی نہیں۔"

"اب بس... یہی بات رہ جاتی ہے... قاتل کا نام ہے... غریب میاں۔"

"کیا... نہیں۔"

وہ سب ایک ساتھ چلائے... ان کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے... اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں... سب سکتے کے عالم میں رہ گئے...

"لیکن... ابھی ایک آخری بات اور ہے... وہ بھی سن لیں... یہ کہ... نہیں بھئی یوں مزا نہیں آئے گا۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید اٹھے اور غریب میاں کے پاس آئے، انھوں نے اس کے چہرے پر نہ جانے کیا کیا... جب وہ ہٹے تو غریب میاں کی جگہ وہاں ڈاکٹر رازی بیٹھے نظر آئے:

"ارے! یہ... یہ کیا۔" وہ سب چلا اٹھے۔

"ہاں جناب... یہی وہ راز ہے... یہ سب لوگ دراصل ڈاکٹر رازی کی ہدایت پر غریب میاں کو بچانے آئے تھے... کیونکہ جس طرح ڈاکٹر رازی سر کبیر خان کو بلیک میل کرتے رہے ہیں... اسی طرح ان سب کو بھی بلیک میل

کرتے رہے ہیں اور اب انھوں نے اپنے کارندوں کے ذریعے ان سب کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ غریب میاں کو بچایا جائے، ورنہ ڈاکٹر رازی آپ سب لوگوں کے راز پولیس کے حوالے کر دیں گے... اب انھیں کیا معلوم... کہ وہ غریب میاں کے بھیس میں خود ڈاکٹر رازی کو بچانے آئے تھے۔"

"اوہ... اوہ۔" ان سب کے منہ سے نکلا... ایک بار پھر ان پر سکتے کا عالم طاری ہو گیا تھا۔

"سوال یہ ہے ابا جان کہ ڈاکٹر رازی صاحب تک آپ کس طرح پہنچے...؟" محمود کے لہجے میں بھی حیرت تھی۔

"میں جب ایک کیس کی تفتیش کرتا ہوں تو اس کا ہر لحاظ سے، ہر زاویے سے جائزہ لیتا ہوں... جب ہم ڈاکٹر صاحب سے ملنے کے لیے گئے تو ہم نے ان کے عجیب ٹھاٹھ باٹھ دیکھے... ایسے ٹھاٹھ باٹھ تو بادشاہوں کے بھی نہیں ہوتے... نوکروں کی ایک فوج وہاں موجود تھی... لیکن ان نوکروں میں مجھے زیادہ تر بد فطرت قسم کے لوگ نظر آئے... جرائم پیشہ قسم کے لوگ، غنڈے قسم کے لوگ... یہ بات عام آدمی نہیں بھانپ سکتا، لیکن

چوں کہ ہمارا دن رات کا تعلق ہی اس قسم کے لوگوں سے ہے... اس لیے فوراً بھانپ لیا... کہ ڈاکٹر نے اپنے گرد جرائم پیشہ لوگ جمع کر رکھے ہیں... ذہن میں سوال ابھرا کہ کیوں... انھیں ایسے لوگوں کی کیا ضرورت ہے، اس سوال کے جواب کی تلاش میں مجھے ان کی نگرانی بھی کرانا پڑی... اور پھر انھوں نے بھی نگرانی کو بھانپ لیا... یہ شہر سے نکل کر جنگل میں جا چھپے... اور وہ بھی غریب میاں کے روپ میں... ان کے شروع سے یہ دونوں روپ چلے آ رہے ہیں... لوگوں کو بلیک میل کرنے کے لیے ان کی کمزوریاں بھی معلوم کرنا ہوتی ہیں، اور پھر ان کا طریقہ تو بہت ہی خوف ناک تھا.... سر کبیر خان کے والد والی مثال ہمارے سامنے ہے... انھوں نے اور بھی بہت خوف ناک جرائم کیے ہیں... اس وقت یہاں جتنے لوگ بھی موجود ہیں... ان سب کے ساتھ قریب قریب انھوں نے ایسا ہی کیا ہے... اب جو حضرات سفارش بن کر آئے ہیں... وہ اسی لیے آئے ہیں کہ اگر یہ حضرت پکڑے گئے تو ساتھ میں یہ سب بھی پکڑے جائیں گے... لیکن میں ان سب لوگوں کے اطمینان کے لیے عرض کر دیتا ہوں کہ کسی کو ناکردہ

گناہ کی سزا میں ہرگز نہیں دلوانے کی کوشش کرتا... جس کا جرم ہوتا ہے... سزا بھی اسی کو دلواتا ہوں... لہذا تمام حضرات کے معاملات کی چھان بین کی جائے گی... کیوں کہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ اصل مجرم یہ حضرت ہیں... میرا خیال ہے... اب تو آپ کو ان کی سفارش کی ضرورت نہیں رہی ہو گی... بلکہ آپ کو تو خوشی ہو رہی ہو گی کہ آپ کا ہمیشہ کے لیے ان سے پیچھا چھوٹ گیا... آپ اب اپنی زندگی سکون سے گزار سکیں گے۔"

"اُف مالک... انسپکٹر جمشید بالکل ٹھیک کہ رہے ہیں، میں تو اپنے آپ کو بہت زیادہ ہلکا پھلکا محسوس کر رہا ہوں۔"

"اور... اور میں بھی۔" کئی آوازیں ابھریں۔

انھوں نے دیکھا... غریب میاں کے چہرے پر اب بالکل ہی غربت طاری ہو چکی تھی... بلکہ زمانے بھر کی غربت ٹپکنے لگی تھی...

"آپ اپنی صفائی میں کچھ کہنا پسند کریں گے؟"

"نہیں!" اس کے منہ سے نکلا۔

"اور وہ کوڑھ کے داغ کیا ہوئے؟" فرزانہ نے

پوچھا۔

"وہ جعلی تھے... تاکہ ہم اس کی باتوں پر یقین کر لیں۔"

"حکیم جان آپ کی سونے کی زنجیر پی گئے... انھوں نے فون نہیں کیا۔" محمود بولا۔

"کوئی بات نہیں... ہم وہ ان سے وصول کر لیں گے۔"

"اور وہ دھات کی نلکی۔"

"زہریلی سوئی پھینکنے کا آلہ... صرف الجھن پیدا کرنے کے لیے وہاں رکھ دیا گیا تھا۔"

"سگریٹ کا ٹکڑا رہ گیا۔"

"وہ رضوان قدیر صاحب کو باندھنے والوں میں سے کسی نے گرایا ہوگا۔" انھوں نے کہا۔

"اور جب مجرم اپنی صفائی میں کچھ نہ کہنا چاہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کیس ختم ہوا اور اب ہم اپنے گھر جا سکتے ہیں... جہاں ہمارے لیے کھانا بالکل تیار ہوگا... بلکہ نہ جانے کتنویں مرتبہ تیار ہو چکا ہوگا۔" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"تمھاری بات سن کر ہنسی نہیں آتی... لیکن اخلاقاً ہنس دیتا ہوں۔" محمود نے منہ بنا کر کہا اور پھر ہنسا بھی۔

"تمھاری اس مصنوعی ہنسی کا مصنوعی شکریہ۔" فاروق نے جھلا کر کہا۔

"ابّا جان! اس سے پہلے کہ یہ باقاعدہ لڑنا شروع کر دیں... ہمیں یہاں سے کھسک لینا چاہیے۔" فرزانہ نے گھبرا کر کہا۔

"بالکل ٹھیک... آؤ چلیں۔"

"کیا ہمیں یہیں چھوڑ کر۔" فاروق کے لہجے میں حیرت تھی... اور پھر وہ اٹھ کر ان سے پہلے کمرے سے نکل گیا... دوسرے مسکرانے لگے... آخر حضرات اور باقی لوگ بھی اٹھ رہے تھے... اور مجرم کی طرف ہتھکڑیوں کا جوڑا بڑھ رہا تھا...

فائدے کی بات

- اس ماہ آپ نے "سرپھرا کیس"، "چکر کی موت"، "دشمن شہر" اور "چور راستا" پڑھے —
- آئندہ ماہ آپ اشتیاق احمد کا ستائیسواں خاص نمبر "یوڈا پر حملہ" پڑھیں گے —
- "یوڈا پر حملہ" کی قیمت ۴۸/۰۰ روپے ہے —
- ادارے سے براہِ راست منگوانے پر ہم آپ سے صرف ۴۳/۰۰ روپے وصول کریں گے، اس طرح آپ ۵/۰۰ روپے بچا سکتے ہیں اور خاص نمبر آپ کو گھر بیٹھے مل جائے گا —
- آپ صرف ایک خط لکھ کر آرڈر دے دیں — ہم بذریعہ وی پی خاص نمبر آپ کو ارسال کر دیں گے — پوسٹ مین آپ سے رعایتی قیمت وصول کرے گا اور خاص نمبر آپ کو دے دے گا —
- آپ صرف خط لکھ کر آرڈر دیں — منی آرڈر یا ڈاک ٹکٹ ارسال نہ کریں —

آرڈر بھیجنے کا پتا:

اشتیاق پبلی کیشنز، ۹/۱۲ نصیر آباد، مسلم پورہ، سانده کلاں، لاہور

آئندہ خاص نمبر کی ایک جھلک

عظیم الشان خاص نمبر — قیمت ۴۸ روپے

۲۰ دسمبر سے پہلے ان شاء اللہ

ستائیسواں خاص نمبر

محمود، فاروق، فرزانہ، انسپکٹر جمشید، آفتاب، آصف، فرحت، انسپکٹر کامران مرزا اور شوکی برادرز کی مشترکہ مہم

یوڈا پر حملہ

مصنف: اشتیاق احمد

- منصوبہ بنانے والے کا دعویٰ تھا کہ یہ اس کی زندگی کا آخری منصوبہ ہے —

- اور یہ بھی کہ اس سے زبردست منصوبہ اس نے آج تک نہیں بنایا۔
- منصوبے کا مرکزی خیال جب اس نے اپنے چیف کو پیش کیا تو چیف بہت بُری طرح اُچھلا، اس کی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں اور وہ فوری طور پر اس پر کام کرنے پر آمادہ ہو گیا۔
- لیکن۔ ان میں معاہدہ طے ہوا کہ مرکزی خیال کی کسی کو ہوا بھی نہیں لگنے دی جائے گی۔
- محمود بار بار ایک ہی خواب دیکھ رہا تھا۔
- منور علی خان ایک کالے آدمی کو بُری طرح گھور رہے تھے۔
- انسپکٹر کامران مرزا نے بھی ایک عجیب بات نوٹ کی۔
- شوکی برادرز پروفیسر لقمان کی تجربہ گاہ میں لڈو کھیل رہے تھے۔ ایسے میں انھوں نے ایک عجیب چیز دیکھی۔
- انسپکٹر جمشید کے گھر میں پُر اسرار گڑبڑ۔
- انسپکٹر کامران مرزا ایک ریاست میں پُراسرار ترین حالات میں گھر گئے تھے۔ اس ریاست میں کیا ہو رہا تھا۔
- ریاض جنگی سے ملیے۔ وہ کون تھا؟
- شوکی برادرز نے تجربہ گاہ میں کوئی چیز آسمان سے آتے دیکھی۔

- مُلک کے ایک بڑے سائنس دان کی لاش ان کی تجربہ گاہ سے ملی۔ انسپکٹر جمشید تفتیش کے نئے انداز میں۔
- لاش کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پُرزہ تھا، اس پُرزے پر صرف ایک لفظ لکھا تھا اور لفظ تھا، یوڈا۔
- یہ لفظ انھوں نے زندگی میں پہلی بار سُنا تھا۔
- انسپکٹر کامران مرزا نے فرحت کی ترکیب پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ترکیب کیا تھی؟
- پروفیسر لقمان کو دُوربین میں کیا نظر آیا کہ وہ بہت بُری طرح اُچھلے تھے۔
- پروفیسر داؤد کی تجربہ گاہ کو بم سے اڑا دیا گیا۔ تجربہ گاہ ملبے کا ڈھیر بن گئی۔
- خان رحمان غائب تھے۔ وہ کہاں تھے؟ انسپکٹر جمشید پارٹی کو ان کی تلاش میں نکلنا پڑا۔
- وطن کے ایک سپاہی نے ایک عجیب جنگ لڑی۔ جرأت اور بہادری کا ایک انوکھا نمونہ۔
- اور جب انسپکٹر جمشید یوڈا کے چکر میں اُلجھے۔
- ایک ریاست میں ایک ہولناک تبدیلی۔
- ایک پہاڑی پر صرف ایک فائر کیا گیا۔ پہاڑی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فضا میں بکھر گئی۔

- انسپکٹر جمشید نے ایک بہت بڑے شکار پر ہاتھ ڈالا تو صدر نے انھیں فوراً طلب کر لیا۔
- صدر نے اس مجرم کو چھوڑنے کا حکم دیا۔ پھر۔ کیا انسپکٹر جمشید نے یہ حکم مانا؟
- منور علی خان نے ایک انوکھے دشمن کا عجیب انداز میں مقابلہ کیا۔
- دارالحکومت سنسان پڑا تھا۔ کسی ایک فرد کو بھی گھر سے نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔
- اور جب انھیں لوہے کے پنجروں میں بند کر دیا گیا۔
- وُہ ایک پُر ہول وادی میں قید کر دیے گئے، اس وادی سے نکلنے کا کوئی راستا نہیں تھا۔
- صدر صاحب کو خان رحمان کی بہت شدید ضرورت تھی، آخر کیوں؟
- ایک بہت بڑے غار میں انسپکٹر کامران مرزا کو ایک بہت عجیب چیز نظر آئی۔
- گردھاری لال سے ملیے۔ ایک پُراسرار آدمی۔
- اور جب وُہ سب جال میں پھنسے۔
- بُت جو ایک زبردست دھماکے سے پھٹا۔
- خان رحمان اپنے ایک دوست سے ملنے گئے تھے، لیکن

وُہ دوست بہت پُراسرار ثابت ہوا۔

- انھیں ایک عمارت میں ٹھہرایا گیا تھا، اس عمارت میں ان سے ایک پُراسرار آدمی ملاقات کرنے آیا۔
- اس کی ملاقات کا مقصد کیا تھا؟
- اور جب آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کا منصوبہ کیا تھا، آپ کی سٹی گم ہو جائے گی۔
- وہ ایک ایسے سفر پر روانہ ہوتے ہیں جس کے بارے میں آپ سوچ بھی نہیں سکیں گے۔
- یہ ناول آپ کے تمام اندازوں کو غلط ثابت کر دے گا۔
- آپ اندازوں پر اندازے لگاتے چلے جائیں گے، لیکن آپ کا ایک بھی اندازہ درست ثابت نہیں ہوگا اور آخر میں تو آپ کی حالت عجیب ہوگی۔
- ایک بہت بڑے مجرم سے ملیے۔ سارے منصوبے کی باگ ڈور اس کے ہاتھ میں تھی۔ وُہ کہاں تھا۔ اور کیا کر رہا تھا۔
- اور جب انھیں اس سے جنگ لڑنا پڑی۔
- آپ نے اس سے زیادہ انوکھی لڑائی لڑتے انھیں کبھی نہیں دیکھا ہوگا۔
- جنگ نہ صرف انوکھی تھی، بلکہ حد درجے سپنس فل تھی۔ اور

ہولناک بھی ۔

- وہ سب کے سب ایک چابی کے لیے لڑ رہے تھے ، آخر کیوں ؟
- چابی کا یہ کھیل حد درجے خطرناک تھا ۔ اور کسی وقت بھی کایا پلٹ سکتی تھی ۔
- انسپکٹر جمشید اور انسپکٹر کامران مرزا کو سر دھڑ کی بازی لگانا پڑی ۔
- فرحت اور فرزانہ کی ترکیب پڑھ کر آپ عش عش کر اُٹھیں گے ۔
- وہ لوگ اس ترکیب پر عمل نہ کرتے تو کیا ہوتا ۔ رونگٹے کھڑے کر دینے والی بات ۔
- ناول کے آخری صفحات آپ کو سُن کر دیں گے ۔
- ایک ایسا اچھوتا ناول ۔ جو پوری دُنیا میں اچھوتا ہوگا ۔
- پوری دُنیا میں اس خیال پر کوئی ناول آج تک نہیں لکھا گیا ہوگا ۔
- یہ خیال مصنف کو کیسے آیا ۔ یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے ۔ مصنف دو باتیں میں اس کا ذکر کر رہے ہیں ۔
- عام ڈگر سے ہٹ کر ایک ناول ۔ جس کو آپ مدتوں فراموش نہیں کر سکیں گے ۔

نوٹ : اپنی کاپی پہلی فرصت میں بُک کروا لیں ۔ جو قارئین بذریعہ وی ۔ پی منگوانا چاہتے ہیں ، وہ بھی فوری طور پر خط لکھ دیں ، ایسا نہ ہو ۔ " پوڈا پر حملہ " آپ کو نہ مل سکے اور آپ بغلیں جھانکتے نظر آئیں ۔ بچائیں گے تو وہ جو ناول حاصل کر لیں گے ۔